پاکستان میں اقبالیات کا مطالعہ

ڈاکٹر وحید عشرت

حکیم الامت حضرت علامہ محمد اقبال کے بارے میں ممتاز برطانوی نقاد سر ہربرٹ ریڈ نے ۱۹۲۱ء میں کہا تھا :

"آج جبکہ ہمارے مقامی شاعر اپنے بے تکلف احباب کے حلقے میں بیٹھے کیٹس کے تتبع میں کتے ، بلیوں اور ایسے ہی گھریلو موضوعات پر طبع آزمائی کر رہے ہیں تو ایسے میں لاہور میں ایک ایسی نظم تخلیق کی گئی ہے - جس کے بارے میں ہمیں یہ بتایا گیا کہ اس نے مسلمانوں کی نوجوان نسل میں طوفان برپا کردیا ہے"۔

علامہ اقبال کے فکر و فن کی عظمت کی چوکھٹ پر اگرچہ مشرق و مغرب کے بے شمار اہل علم و دانش نے جبہ سائی کی ہے ، تاہم ہربرٹ ریڈ کے اس اقتباس کی خوبی یہ ہے کہ اس نے مشرق و مغرب میں انیسویں صدی میں تخلیق ہونے والے ادب کا ایک خوبصورت خاکہ پیش کرتے ہوئے علامہ اقبال کے فکر و کلام کے بنیادی مقصد کو عیاں کردیا ہے - علامہ اقبال نے اعلیٰ تصورات و خیالات کو اپنے کلام اور تفکر کا موضوع بنا کر جو سب سے اہم کارنامہ سر انجام دیا وہ مسلمانوں کی نوجوان نسل میں ایک طوفان برپا کرنا تھا ، تاکہ وہ اپنے ماضی کی

یہ مقالہ شعبہ پاکستان اسٹڈیز قائد اعظم یونیورسٹی ، اسلام آباد کے سیمنار میں پڑھا گیا -

عظمت کی بازیافت کے لیے جدوجہد کریں اور اپنے حال کو بدلتے ہوئے اپنے مستقبل کو تاب ناکی عطا کریں ۔ علامہ اقبال نے "سوئے قطار می کشم ناقہ بے زمام را" کو جب اپنے رات اور دن کی ریاضتوں کا حاصل قرار دیا تو ان کی مراد یہ تھی کہ وہ امت مسلمہ کو اس کے ماضی کی جھلک دکھا کر اسے پھر حرکت و عمل دینا چاہتے ہیں تاکہ وہ اپنی باز آفرینی کی منزل کو پاسکے ۔ چنانچہ انھوں نے اپنے کلام اور فلسفہ سے صورِ اسرافیل کا کام لیا اور مسلمانوں میں ہر کہیں آزادی، حریت ، اپنی تہذیبی اور تمدنی تشکیل کے لیے تڑپ اور آرزو پیدا کی ۔ چنانچہ پاکستان کا قیام ، مختلف ممالک اسلامیہ میں احیاء کی تحریکات کا آغاز ، ملوکیت کے خلاف جنگ ، اتحاد و اجتہاد کے لیے کوشش اور اسلام کو ایک نظام حیات کے طور پر اپنانا اسی فکر اقبال کے برگ و بار ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ کے افکار و نظریات نے عوام میں نفوذ کیا اور اہل علم و دانش کی توجہ اپنی جانب مبذول کی ۔ ان اصحاب علم و دانش نے خود افکار اقبال کی تشریح و تعبیر اور اشاعت کے لیے گراں بہا خدمات سرانجام دیں اور یوں علامہ اقبال پر ان کی اپنی زندگی اور وفات کے بعد مختلف جہتوں میں کام ہوا ۔ اس مقالہ کا مقصد اجمالاً علامہ اقبال پر اس ہونے والے کام کا جائزہ لینا ہے ۔

۱ ۔ **سوانحی کام :** علامہ اقبال کے سوانح اور حالات زندگی پر مختلف زبانوں میں پچاس سے زائد کتب لکھی گئی ہیں جن میں صرف اردو میں لکھی جانے والی کتب کی تعداد تیس کے لگ بھگ ہے ۔ چند معروف کتب کے نام یہ ہیں ۔

'زندہ رود' (سہ جلد) از جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال ، یہ کتاب علامہ کے

اپنے صاحبزادے کی تصنیف کردہ ہے اور سوانح اقبال پر مستند ترین کام ہے ۔ اس کا فارسی میں ترجمہ چار جلدوں میں اقبال اکادمی پاکستان نے شائع کیا ہے جو ممتاز ایرانی مترجم ڈاکٹر شاہین دخت مقدم صفیاری نے کیا ہے ڈاکٹر ظہور احمد اظہر نے اس کا عربی میں ترجمہ کیا ہے اور فارسی ترجمے سے ہی روسی میں اس کا ترجمہ ہورہا ہے جبکہ ناصرہ جاوید اقبال اس کا انگریزی میں ترجمہ کر رہی ہیں ۔ تاہم سوائے فارسی ترجمے کے ابھی باقی تراجم شائع نہیں ہوئے ۔ 'ذکراقبال' مولانا عبدالمجید سالک کی کتاب ہے ۔ ان کے بیٹے ڈاکٹر عبدالسلام خورشید نے اسی کی بنیاد پر 'سرگزشت اقبال' کےنام سے علامہ کی ۱۹۷۷ میں سوانح لکھی ۔ 'فکراقبال' ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم کی سوانح اور افکار اقبال پر معتبر کتاب ہے ۔ 'دانائے راز' سید نذیر نیازی ، 'سیرت اقبال' ڈاکٹر طاہر فاروقی ، 'اقبال کامل' عبدالسلام ندوی ، 'نقوش اقبال' مولانا ابوالحسن علی ندوی اس کا عربی میں ترجمہ 'روائع اقبال' کے نام سے کیا گیا ہے ۔ 'روح اقبال' یوسف حسن خان ، 'اقبال' از مولوی احمد دین ۔ یہ کتاب سوانح کے حوالے سے اقبال پر اولین کتاب ہے جسے مشفق خواجہ نے حال ہی میں مرتب کیا ہے ۔ نواب ذوالفقار علی خان کی کتاب 'A Voice from the East' بھی اولین کتب میں سے ہے ۔ حال ہی میں پروفیسر ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی کی کتاب کی پہلی جلد 'عروج اقبال' کے نام سے آئی ہے جو بزم اقبال لاہور نے شائع کی ہے ۔ 'زندہ رود' کے بعد اقبال پر سوانح کے لحاظ سے اہم ترین کتاب ہے ۔

سوانحی کتب میں صرف علامہ اقبال کے سوانح پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ ان کے افکار و نظریات بھی ان کتب میں پیش کیے گئے ہیں ۔

'اقبال درون خانہ' ، 'اقبال کی پہلی بیوی' ، 'اقبال اور بھوپال' ، 'اقبال اور حیدرآباد' ، 'اقبال کی ابتدائی زندگی' اور اقبال پر ڈورس احمد کی 'Iqbal as I knew him' بھی سوانحی کتب میں شمار ہوں گی - بھارت سے 'اقبال اور بھوپال' کے نام سے ماسٹر اختر کی کتابیں شائع ہوئی ہیں اسی طرح حنیف شاہد کی 'اقبال اور انجمن حمایت اسلام' ، پروفیسر حق نواز کی کتاب 'اقبال ایوان اسمبلی میں' ، 'سیاحت اقبال' حمزہ فاروقی کی کتاب 'حیات اقبال کے چند مخفی گوشے' علامہ کے سوانحی حالات کو عیاں کرتی ہیں - یوں متعدد کتب ایسی بھی ہیں جن میں جزءاً حیات اقبال دی گئی ہے چنانچہ ان سب کو شمار کر لیا جائے تو کم و بیش اسی کے قریب سوانحی کتب سامنے آئیں گی - متعدد کتب ایسی بھی ہیں جو مرتب و مدون کی گئی ہیں جن میں حفیظ ملک کی کتاب اقبال پوئیٹ فلاسفر آف پاکستان معروف ہے - اقبال بحیثیت سیاست دان ، سفر نامہ اقبال جیسی متعدد کتب بھی اقبال کے سوانحی حالات پر روشنی ڈالتی ہیں -

تراجم کلام اقبال : علامہ اقبال پر دوسرا اہم ہونے والا کام تراجم کا ہے - یہ تراجم نہ صرف پاکستان کی علاقائی قومی زبانوں میں ہوئے ہیں بلکہ عالمی زبانوں میں بھی دستیاب ہیں - جن پاکستانی زبانوں میں تراجم ہوئے ہیں ان میں پنجابی ، سندھی ، بلوچی ، براہوی پشتو ، کشمیری ، بلتی ، سرائیکی اور گجراتی زبانیں شامل ہیں - مشرقی پاکستان جب پاکستان کا حصہ تھا تو اس زمانے میں بنگالی زبان میں بھی کلام اقبال اور 'خطبات' کے تراجم ہوئے - بین الاقوامی سطح پر بھی علامہ کی کتب کے تراجم کیے گئے ہیں - ان زبانوں میں انگریزی ،

اردو ، عربی ، فارسی ، فرانسیسی ، سپینش ، سواحلی ، روسی ، جرمن ، فنش ، اطالوی ، ترکی ، انڈونیشی اور چینی زبانیں شامل ہیں ، جاپانی زبان میں بھی کلام اقبال کا ترجمہ ہو رہا ہے ۔ تراجم کا یہ سلسلہ دن بدن وسعت اختیار کر رہا ہے ۔ انگریزی اور علاقائی زبانوں میں ترجمہ کرنے والوں کی اکثریت پاکستانیوں کی ہے جبکہ دیگر زبانوں میں غیر ملکی تراجم کررہے ہیں ۔ ان تراجم کے ساتھ ساتھ اقبال اکادمی پاکستان نے علامہ اقبال کے فارسی کلام کی تسہیل کا منصوبہ بھی مکمل کر لیا ہے ۔ پیام مشرق کا منصوبہ پریس میں ہے ۔ تراجم کے ساتھ ہی علامہ کے فارسی اور اردو کلام کی تشریح کا کام بھی ہوا ہے ۔ مولانا غلام رسول مہر اور پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے کلام اقبال کی شرحیں لکھی ہیں ۔ جبکہ عارف بٹالوی نے 'بانگ درا' اردو کی شرح لکھی ہے ۔ مولانا غلام رسول مہر کی شرحیں مختصر اور عام طلبا کے لیے ہیں جبکہ پروفیسر یوسف سلیم چشتی کی شرحیں علمی ، دقیق اور مفصل ہیں ، تسہیل کے سلسلے میں 'فرہنگ اقبال' کے نام سے دو جلدوں میں نسیم امروہوی نے بھی گرانقدر کام کیا ۔ جو سید اظہارالحسن رضوی کے ادارہ اظہار سنز ، لاہور نے شائع کیا ۔ اس میں بعض اصطلاحات کے مفاہیم متنازعہ اور نسیم امروہوی کے اپنے ذہن رسا کی پیداوار ہیں تاہم ان چند مقامات کو اگر نظرانداز کردیا جائے تو مجموعی طور پر یہ کام مفید ہے اور اقبال کے کلام کی تفہیم میں کارآمد ہے ۔ یہ کام دو ضخیم جلدوں میں ہوا ہے اور اقبال کے اردو اور فارسی کلام کی پوری فرہنگ آ گئی ہے ۔ جو اساتذہ اور طلبا دونوں کے لیے مفید کہی جا سکتی ہے اور اقبال فہمی میں معاون اور رہنما ہے ۔

مقبول انور داودی کی 'مطالب اقبال' بھی اس طرز کی ایک فرہنگ ہے جو عام طلبا کے لیے یقیناً بڑی مددگار ہے ۔ کلام اقبال کے اشاریوں میں 'کشف ابیات' ڈاکٹر محمد ریاض اور ڈاکٹر صدیق شبلی ، داؤد عسکری کی 'جوئے شیر' اور یونس حسرت کی 'کلید اقبال اردو' مفید ہے جبکہ 'کلید اقبال فارسی' زیر اشاعت ہے ۔ تسہیل کلام اقبال کے ساتھ ساتھ علامہ اقبال کے خطبات کی تسہیل کا کام بھی ہوا ہے ۔ علامہ کے خطبات کا اولین مکمل ترجمہ سید نذیر نیازی نے کیا جو بزم اقبال نے شائع کیا ، یہ ترجمہ مشکل اور مغلق ہے اور عربی اصطلاحات کی بھرمار سے بوجھل بھی ہوگیا ہے ۔ حال ہی میں شہزاد احمد نے خطبات کا ترجمہ مکمل کیا ہے جبکہ راقم الحروف نے بھی ۸۴ء سے اس کا ترجمہ شروع کر رکھا ہے تین خطبوں کا ترجمہ مکمل ہو چکا ہے ۔ جبکہ باقی کا ترجمہ جاری ہے ، اس کے علاوہ خطبات کے تراجم سندھی ، پنجابی ، پشتو میں بھی ہو چکے ہیں ۔ عالمی سطح پر عربی ، ترکی ، فارسی اور سپینی زبان میں بھی ترجمے ہوئے ہیں ۔ 'تسہیل خطبات اقبال' کے نام سے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے شعبہ اقبالیات نے بھی گراں قدر کام کیا ہے ۔ تسہیل کرنے والوں میں پروفیسر ڈاکٹر سی اے قادر ، ڈاکٹر محمد معروف ، عبدالحمید کمالی ، پروفیسر رحیم بخش شاہین ، ڈاکٹر محمد ریاض ، ڈاکٹر ابصار احمد اور پروفیسر نیاز عرفان کے نام شامل ہیں ، یہ تسہیل اگرچہ متعدد اغلاط سے پُر ہے تاہم تسہیل خطبات اقبال کی طرف ایک اہم قدم ضرور ہے ۔ اسی طرح علامہ کے متعدد مضامین کا بھی ترجمہ کیا گیا ہے مثلاً 'ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر'

مولانا ظفر علی خان نے ترجمہ کیا 'اقبال کا تصور زماں' ڈاکٹر تحسین فراقی نے ترجمہ کیا 'قائد اعظم کے نام علامہ کے خطوط' عبدالرحمٰن سعید نے اور بعد میں پروفیسر جہانگیر عالم نے چند اضافوں کے ساتھ ترجمہ کیے۔ تراجم کا کام خود اتنا بھرپور ہے کہ اس کے لیے الگ مقالے کی ضرورت ہے۔

۳۔ تحقیقی کام : علامہ اقبال کے سوانح اور کلام کے بارے میں تحقیقی جہت سے بھی کافی کام ہوا ہے۔ مثلاً علامہ اقبال کے سوانح کے حوالے سے تاریخ پیدائش میں اختلاف سے تحقیقی مواد بڑی تعداد میں سامنے آیا۔ یورپ میں اقبال کے قیام کے حوالے سے مختلف لوگوں نے کام کیا 'اقبال یورپ میں' کے نام سے ڈاکٹر سعید اختر درانی نے کتاب لکھی، حیدر آباد آرکائیوز کے حوالے سے کئی نئی چیزیں سامنے آئیں، 'اقبال کی پہلی بیوی' کے نام سے کتاب میں اور 'اقبال دورون خانہ' کے حوالے سے متعدد باتیں مطالعہ میں آئیں۔ ڈاکٹر سلطان محمود حسین کی کتاب 'اقبال کی ابتدائی زندگی' میں وہ تمام معلومات موجود ہیں جو علامہ کی زندگی کے نہایت ابتدائی دور سے تعلق رکھتی ہیں 'حیات اقبال کے مخفی گوشے' بھی ایک ایسی کتاب ہے جو روزنامہ انقلاب کے حوالے سے حمزہ فاروقی نے لکھی ہے۔ 'مظلوم اقبال' اور امین زبیری کی کتاب 'اقبال کے خدوخال' بھی اقبال کے خلاف معاندانہ رویے کے باوجود ایسی کتب ہیں جن میں اقبال کی زندگی کے بعض پہلو نمایاں ہوئے ہیں، 'خدوخال اقبال' میں تو بعض باتیں سوقیانہ بلکہ مصنف کی نہایت گھٹیا ذہنیت کی عکاس ہیں اور بعض باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف بہت ہی کوتاہ نظر ہے۔

۴۔ تدوینی کام : قیام پاکستان کے بعد علامہ اقبال پر تدوینی جہت

سے بہت کام کیا گیا ہے ۔ اس تدوینی کام کی نوعیت کچھ یوں ہے ۔

۱ ۔ علامہ اقبال کے خطوط کی دریافت ۔ سب سے اہم خطوط تو اقبال کے وہ ہیں جو انھوں نے قائد اعظم محمد علی جناح کے نام لکھے ، محمد جہانگیر عالم نے چند اور خطوط دریافت کیے اور ان کا ترجمہ کر کے انھیں شائع کیا صابر کلوروی نے گذشتہ سال ایک اور خط تلاش کیا جو اقبال ریویو میں چھپا ۔ گذشتہ سال ادارہ ثقافت اسلامیہ نے عبدالعزیز مالواڈہ کے نام خطوط دریافت کر کے شائع کیے ۔ اس سے قبل شیخ عطاءاللہ لطیف احمد شیروانی ، سید نذیر نیازی ، ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے بھی کئی خط دریافت کر کے شائع کیے ۔ محمد عبداللہ قریشی ، بی ۔ اے ڈار ، عطیہ بیگم نے بھی اقبال کے خطوط مرتب کیے ۔ اسی طرح مولانا گرامی کے نام خطوط مرتب کیے گئے اشاریہ مکاتیب اقبال کے نام سے صابر کلوروی نے ایک اشاریہ مرتب کیا ، ڈاکٹر جمیل جالبی نے مکاتیب اقبال پر شعبہ فلسفہ جامعہ پنجاب میں ایک خصوصی اقبال میموریل لیکچر دیا جو اقبالیات کے رسالے میں شائع ہوا ۔ 'مکاتیب اقبال کا توضیحی مطالعہ' کے نام سے عبداللہ قریشی نے کام کیا ۔ 'کلیات مکاتیب اقبال' کے نام سے بھارت سے سید مظفر برنی نے اہم کام کیا ہے ۔

۲ ۔ تدوینی کام کے ضمن میں دوسرا بڑا کام جو ہوا وہ کلام اقبال کی تدوین کا ہے ۔ عبدالغفار شکیل کی 'نوادر اقبال' ، محمد انور حارث کی 'رخت سفر' مولانا غلام رسول مہر کی 'سرود رفتہ' اور عبداللہ قریشی کی 'باقیات اقبال' کے نام سے تین ایسے مجموعے شائع ہوئے جو علامہ کے کلیات کے علاوہ ان کے مسترد کردہ کلام پر مشتمل ہیں ۔ عبداللہ قریشی نے بعد میں جو باقیات

مرتب کی ہے اس میں باقی کتب شامل ہیں ۔ صابر کلوروی نے باقیات کے اسی موضوع پر پی ایچ ڈی کا مقالہ تحریر کر کے متعدد اردو اور فارسی کا کلام جمع کیا ہے ۔ بھارت سے بھی گیان چند جین نے 'کلام اقبال کا ابتدائی مطالعہ' کے نام سے اقبال کا کلام مرتب کیا ہے اور اقبال کی بعض نظموں کے سن اور شان نزول تک بیان کی ہے ۔

۳ ۔ تدوینی کام کے سلسلے میں محترم پروفیسر محمد سعید شیخ کا خطبات پر کام بھی یادگار تصور کیا جائے گا ۔ انھوں نے علامہ اقبال کے انگریزی خطبات کے حواشی اور حوالہ جات بڑی تحقیق اور محنت سے تیار کیے ہیں ۔ علامہ اقبال نے غالباً یہ لیکچر زبانی لکھے تھے ۔ لہٰذا وہ متعدد کتب اور مصنفین کا حوالہ دیتے ہیں مگر وہ حوالہ غیر مکمل ہوتا ہے اقبال کے ان حوالہ جات کو پروفیسر محمد سعید شیخ نے تلاش کر کے فراہم کیا ہے ، اس طرح یہ تمام حوالہ جات مستند ہوگئے ہیں ۔ اس طرح کا کام پروفیسر سعید اے شیخ علامہ اقبال کے پی ۔ ایچ ۔ ڈی کے تھیسس پر بھی کر رہے ہیں ۔ یوں پروفیسر سعید اے شیخ نے علامہ کے بارے میں کئی ایک اور بھی انکشاف کیے ہیں کہ کس طرح علامہ اپنے علم کو آپ ٹوڈیٹ رکھنے کے لیے یورپ سے تازہ کتب حاصل کرتے تھے اور پھر ان کتب کی روشنی میں اسلام کے معتقدات اور تصورات کی توجیہات کو اپنے ذہنِ رسا سے تجزیہ کر کے بیان کرتے تھے ۔ تاہم سعید شیخ نے سید نذیر نیازی سے جہاں استفادہ کیا ہے اس کا حوالہ دے دینا بھی کچھ بُرا نہ تھا ۔ کیونکہ خطبات پر اولین کام ان کا ہی ہے ۔

۴ ۔ تدوین کے سلسلے میں چوتھا بڑا کام علامہ کے بعض نئے مقالات

کی دریافت ہے ۔ جو بعض افراد نے حواشی اور ضروری نوٹس کے ساتھ شائع کیے ہیں ۔ لطیف احمد شیر انی کی انگریزی کتاب 'Speeches, Statements and Writings of Iqbal' میں علامہ کے متعدد بیانات، تقاریر اور مقالات جمع کردیئے گئے ہیں ۔ اسی طرح ان کی کتاب 'حرف اقبال' میں علامہ کے اُردو کے مقالات اور کچھ انگریزی کے مقالات کے تراجم جمع ہیں ۔ 'گفتارِ اقبال' میں محمد رفیق افضل نے اور 'اوراق گم گشتہ' میں ڈاکٹر رحیم بخش شاہین نے اور 'انوار اقبال' میں بی ۔ اے ۔ ڈار نے کافی مقالات اور علامہ کی تحریریں جمع کردی ہیں ۔ ڈاکٹر تحسین فراقی نے علامہ کا تصور زماں پر ایک مقالہ ڈھونڈھ نکالا ہے اور اسی طرح بیدل پر بھی علامہ کا مقالہ تلاش کیا جو بیدل اور برگساں پر اقبال کے تقابلی مطالعہ کو پیش کرتا ہے ۔ صابر کلوروی نے تاریخ تصوف کے سلسلے میں علامہ کے لکھے ہوئے ابتدائی تین ابواب کو کتابی شکل میں حواشی کے ساتھ مرتب کیا ہے جو مکتبہ تعمیر انسانیت نے شائع کئے ۔ ڈاکٹر مظفر عباس نے بھی 'ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر' علامہ کے انگریزی متن کے ساتھ شائع کردیا ہے جو اس سے قبل 'تصانیف اقبال کا توضیحی مطالعہ' از ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی میں چھپ چکا ہے ۔ تاہم انگریزی متن اور ترجمہ اکٹھا پہلی بار شائع ہوا ہے ۔

۵ ۔ تدوین کا ایک اور منصوبہ حال ہی میں اقبال اکادمی پاکستان نے بھی تیار کیا ہے جس کے تحت علامہ اقبال کے تمام کام کو کلیات کی شکل میں شائع کیا جائے گا ۔ تدوین کے اس منصوبے کا مقصد اقبال پر کام کرنے والوں کو بنیادی اساس فراہم کرنا ہے ۔ تاکہ ماہرین اقبال

کے پاس اقبالیات کے ضمن میں تمام کام اکٹھا مل جائے ۔ اس سلسلے میں اولین سطح پر کتابیات اقبال کی تدوین ہورہی ہے ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی یہ کتابیات مرتب کر رہے ہیں ۔ علامہ اقبال پر شائع ہونے والی تمام کتب رسائل ، مقالات ، ایم ۔ اے اور پی ایچ ڈی کے مقالات اخبارات و رسائل کے مضامین کی تمام تفصیلات اس میں پیش کی جائیں گی ۔ 'کلیات نثریات اقبال' کے نام سے علامہ کی اردو کی تمام تحریریں اس میں شامل کر دی جائیں گی ، مقالات ، بیانات ، تقاریر ، خواہ وہ اردو میں ہوں ، جن کے تراجم ہوچکے ہوں ۔ پھر اسی طرح علامہ اقبال کی انگریزی کی تمام تصانیف ، مقالات ، تقاریر ، بیانات اور شذرات اس میں جمع کردیے جائیں گے ۔ اس طرح ان دو کلیات اردو اور انگریزی میں تمام نثریات اقبال آ جائیں گی ۔ تیسرا کلیات مکاتیب اقبال ہوگا جس میں علامہ کے تمام متداول خطوط کے مجموعوں کو یکجا کر کے مختلف اشاریوں کے ساتھ مرتب کیا جائے گا مگر اس سے قبل اکادمی 'کلیات اقبال (اردو)' اور 'کلیات اقبال (فارسی)' شائع کرچکی ہے ۔ متن کی تصحیح کے بعد فارسی کی کتابت ایران سے اور اردو کی پاکستان کے ایک مایہ ناز کاتب جمیل قریشی تنویر رقم سے کروائی گئی ہے ۔

۶۔ اقبالیات ہر کام کی سال بہ سال اشاعت ۔ ڈاکٹر وحید عشرت نے اقبال اکادمی میں آنے کے بعد ہر سال علامہ پر شائع ہونے والے مقالات کو مدون کرنے کا منصوبہ بنایا اب تک اقبال ۸۴ ، اقبال ۸۵ اور اقبال ۸۶ شائع ہوچکے ہیں ۔ یہ سلسلہ ۱۹۳۸ء سے آگے جاری رہے گا ۔ سال بہ سال کسی مفکر ، شاعر اور ادیب پر شائع ہونے والا یہ دنیا کا واحد منصوبہ ہے جو اقبال کی عظمت کا گواہ ہے ۔

اس ابتدائی تعارفی کام کے بعد اب ہم اپنے اصل موضوع کی طرف آتے ہیں ۔ مجموعی طور پر علامہ اقبال پر تین ہزار سے زائد کتب لکھی گئی ہیں ۔ جبکہ علامہ پر اس سارے عرصے میں لکھے جانے والے مقالات کی ایک محتاط اندازے کے مطابق تعداد دس ہزار سے زائد ہے ۔ متذکرہ سوانحی ، تدوینی ، تشریحی اور تحقیقی کام کے علاوہ علامہ اقبال پر فکری سطح کا کام دو طرح کا ہوا ہے ۔ ایک طرف تو علامہ اقبال کی شعریات پر اہم نوعیت کا کام کیا گیا جس میں علامہ اقبال کے کلام کے محاسن ، شعری رعایتوں سے ان کی صنائع و بدائع ، مشبہ ، مشبہ الیہ ، تلمیحات ، تشبیحات ، اصطلاحات اور کلام کے صوتی تاثرات اور بعض کے نزدیک علامہ اقبال کے کلام کی کمزوریوں وغیرہ پر گرفت کا کام ہوا ہے ۔ یعنی اس سارے کام میں علامہ اقبال کے فن کو زبان و بیان کے مختلف معیارات کے حوالے سے پرکھا گیا ہے اور اس کے بارے میں مختلف طرح کے نتائج حاصل کیے گئے ہیں ۔ اگر ان کتب کا مختصر خلاصہ پیش کیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ ان کتب میں فنِ شعر پر علامہ کے کمال کا اعتراف کیا گیا ہے اور یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ علامہ اقبال نے اردو شعر و ادب اور اس کے ساتھ ہی ساتھ فارسی شعر و ادب کو لفظیات ، تشبیہات، استعارات ، تلمیحات اور صنائع و بدائع کے خزانے دیے ہیں خصوصاً اردو شاعری کے بارے میں یہ بات پورے یقین سے کہی گئی ہے جبکہ فارسی زبان میں علامہ کا امتیاز یہ ہے انھوں نے فارسی زبان کی ملوکانہ نہج کی شعری روایت کو انقلاب پرور رجحانات دیے ہیں ۔ اور اسی حوالے سے فارسی شاعری کو انقلاب کی نئی لفظیات ، تشبیہات اور استعارات و

تلمیحات سے بہرہ ور کیا ہے اقبال پوری فارسی شاعری میں انقلاب کا نغمہ ہے - یہی وجہ ہے کہ ملوکیت کے خلاف جنگ میں ایران کے انقلابیوں کی قیادت حافظ و سعدی و نظیری نے نہیں کی بلکہ اقبال کے سرمدی نغماتِ انقلاب نے کی ہے - تاہم ابھی علامہ کی فارسی شاعری کی اس جہت کو مزید متحقق ہونا ہے - اردو اور فارسی کی اس نہج پر ایک کام یہ بھی کیا گیا کہ علامہ اقبال کے شعر کے مآخذات اردو اور فارسی شاعری میں تلاش کیے گئے -

علامہ اقبال پر علمی سطح پر جو کتب لکھی گئی ہیں ان کتب میں سے جو صرف علامہ کے فن شعر پر لکھی گئی ہیں یا جو علامہ کے اشعار کے معنوی اور صوری حسن کو اجاگر کرتی ہیں میں سے متعدد اہم کتب ایسی ہیں جو علامہ کے علمی اور فکری حوالے سے منظر عام پر بھی آئی ہیں - ظاہر ہے اس مضمون میں ان سب کا احاطہ کرنا ممکن نہ ہوگا لہٰذا ہو سکتا ہے کہ کوئی اہم کتاب بھی ذکر سے رہ جائے - تاہم اس سلسلے میں کسی حد تک احتیاط برتی گئی ہے کہ ان کتب کا تذکرہ بھی آ جائے - علامہ اقبال پر علمی اور فکری سطح پر لکھی جانے والی کتب میں مندرجہ ذیل امور زیر بحث آئے ہیں -

۱- علامہ اقبال کا نظام فکر : اقبال پر علمی اور فکری سطح پر لکھی گئی ان کتب میں اقبال کا نظام فکر مرتب کرنے کی کوشش کی گئی ہے - ان کتب میں ان کے مابعدالطبیعیاتی تفکر کی اساس بتائی گئی ہے - اور ان کے فلسفہ خودی کی توضیح کی گئی ہے - ان کتب میں ایک اہم کتاب 'اقبال کا ذہنی ارتقا' کے نام سے ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار کی تحریر کردہ ہے -

اس کتاب میں ولادت سے ثانوی تعلیم تک اور پھر پروفیسر شپ کے دور سے قیام یورپ اور پھر اس سے واپسی کے بعد لاہور میں تا وفات قیام تک علامہ اقبال کے ذہنی ارتقا کا مطالعہ منزل بہ منزل پیش کیا گیا ہے ۔ اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ اس میں اقبال کو ایک ارتقا کوش ذہن کا حامل بتایا گیا ہے جو نظریات میں جامد نہیں ، جو رجعت پسند نہیں بلکہ اپنے علم و مطالعہ میں اضافہ کرتا اور اپنے نظریات کے دائرے خود توڑتا اور نئے علوم و فنون اور دریافتوں کی روشنی میں ان کو وسعت دیتا نظر آتا ہے اس کتاب میں اقبال کے ذہنی ارتقا کا ایک ایسا گراف ہمیں ملتا ہے جس میں اقبال ہر لمحہ علم سیکھتا اور اپنے تصورات و نظریات کی مسلسل تراش و خراش کرتے نظر آتا ہے ۔ دراصل یہ کتاب اقبال کی ذہنی سرگزشت ہے کہ کس طرح ایک مغربی تعلیم میں پروان چڑھا ہوا اقبال اسلامی نشاۃ ثانیہ کے داعی کی حیثیت سے ابھرتا ہے اور اپنے ماضی ، حال اور مستقبل کو ملت اسلامیہ کے ماضی ، حال اور مستقبل سے مربوط کرتا ہے ۔ یہ کتاب ہمیں اس ذہنی ریاضت سے بھی آگاہ کرتی ہے جو اقبال نے خود کو بلند اقبال بنانے میں کی ۔ لوائے مشرق کے نام سے سعید احمد نے علامہ اقبال اور مولانا مودودی کا تقابلی مطالعہ بھی بڑی خوبصورتی سے پیش کیا ۔ اگرچہ اس موضوع پر دو اور کتب بھی لکھی گئی ہیں مگر فکر اسلام کے ترجمان کی حیثیت سے اقبال اور مولانا مودودی دونوں کو اس کتاب میں پیش کر کے ان کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے ۔ اس کتاب میں دراصل مولانا مودودی کے بھی دو مقالات علامہ اقبال کے بارے میں ہیں ۔ اس کتاب کی اہمیت یوں ہے کہ تحریک

اسلامی کی تشکیل میں اور مولانا مودودی کی جدوجہد میں اقبال کے اثرات کا سراغ ملتا ہے ۔ بلکہ دکن سے پنجاب منتقل ہو کر مولانا مودودی نے جس تحریک کا آغاز کیا اس کی ترغیب بھی انہوں نے اقبال سے ہی حاصل کی اور بڑی حد تک اسے ایک جدید اسلامی ریاست کے قیام تک لے جانے کی جدوجہد کا مقصد مولانا مودودی نے اقبال سے ہی انسپائر ہو کر تشکیل دیا ۔ مولانا مودودی کی تحریک کو فکری طور پر اقبال کی تحریک قرار دیا جا سکتا ہے ۔ تاہم عملی طور پر اس کی صورت گری مولانا کے اپنے ذہن رسا کی پیداوار تھی شاید اقبال زندہ رہتے تو مولانا مودودی کی یہ تحریک فکری اور عملی طور پر زیادہ بیدار مغز ہوتی اور زیادہ موثر نتائج پیدا کرتی ۔ دین اور دنیا کی تقسیم کے اقبال خلاف تھے ۔ اقبال اسلام کو محض ایک عقیدہ یا عبادات کا نظام تصور نہیں کرتے تھے بلکہ ایک نظام حیات کی حیثیت سے دیکھتے تھے اور دنیا کی جدید نظریاتی فضا میں ایک اسلامی جمہوری ریاست کی تشکیل کے خواہاں تھے ۔ یہی تین نقاط اقبال کی سیاسی اور دینی فکر کا حاصل ہیں اس کے لیے اجتہاد کو ناگریز قرار دیتے تھے ۔ اگر مولانا مودودی کی فکر کا تجزیہ کیا جائے تو یہی چار نقاط ان کی تمام تر کاوش اور تفکر کا حاصل ہیں ۔ مولانا مودودی نے اقبال کے تفکر کو آگے بڑھایا ۔ بے شک اس میں انہیں کامیابی بھی ہوئی اور کسی قدر رجعت پسندی اور عملی اور سیاسی بصیرت کے فقدان نے اس تحریک اقبال کو نقصان بھی پہنچایا بہرحال مولانا مودودی کی تحریک کو اقبال کے فکر کی توسیع قرار دیا جا سکتا ہے ۔

پروفیسر ڈاکٹر سید عبداللہ کی فکر اقبال کے ضمن میں تین کتب خاصی اہم ہیں ۔ 'مقاصد اقبال' ، 'مسائل اقبال' اور 'مطالعہ اقبال چند نئے رخ' ۔

'مقاصد اقبال' میں ڈاکٹر سید عبداللہ فکر اقبال کا مرکزی نقطہ بازیافت کو قرار دیتے ہیں سات ابواب کی اس کتاب میں اقبال کے تمام شعر و سخن اور فکر و فلسفہ کو ڈاکٹر صاحب ماضی یا عہد اسلام کی بازیافت کی خواہش کا حاصل قرار دیتے ہیں ۔ اور اس سلسلے میں مغربیت کے خلاف اقبال کے رویے کو خارجی عصری حملہ قرار دیتے ہوئے اقبال کے کلام کی روشنی میں مغربیت کے معائب کو سامنے لاتے ہیں ۔ اس کتاب کے چوتھے باب میں اسلامی وحدت کے تین داخلی دشمنوں فرقہ بندی ، نسلیت اور عجمیت کا بھی تجزیہ کرتے ہیں اور اقبال کے اناالملت کے تصور کو سامنے لاتے ہیں ۔ اور پانچویں باب میں ضعف قوائے ملی کا علاج فکر اقبال کی روشنی میں بیان کرتے ہیں اسی سے اگلے باب میں ڈاکٹر صاحب بتاتے ہیں کہ فکر اقبال مسلمانوں کی علمی روایت کا ہی ایک تسلسل ہے اقبال ماضی سے کٹا ہوا مفکر نہیں بلکہ اس کی جڑیں ہمارے ماضی میں پیوست ہیں ۔ اس کتاب کا اہم ترین مقالہ اقبال اور سائنس ہے جس میں سید صاحب نے اقبال کی فکریات میں عقلی اور سائنسی منہاج کے ایک نئے رخ کا تجزیہ کیا ہے اور اقبال کی سائنس سے دلچسپی کو اجاگر کیا ہے کہ جدید سائنسی تصورات اقبال کے نزدیک کس طرح مسلمانوں کے سائنسی نظریات سے انسپائر ہوئے اور قرآن نے محسوس کائنات اور فطرت کے مطالعہ کی ترغیب سے مسلمانوں میں جس علم کی ترویج کی وہ سائنس تھی مگر مسلمانوں نے یونانی استخراجیت کے چنگل میں پھنس کر سائنسی میدان میں اپنی پیش رفت روک کر اپنے زوال کو محکم کر لیا ۔ سید صاحب نے مطالعہ اقبال کے چند نئے رخ میں اقبال پر فکری سطح پر اہم کام کیا ۔

اقبال اور البیرونی خصوصاً دونوں کے تصور تاریخ کے حوالے سے اہم مقالہ لکھا ہے اسی طرح ابن خلدون اور اقبال والے مقالے میں بھی تاریخ کی اہمیت کو دوچند کیا ہے ۔ اقبال نے علم کے منابع کے طور پر جو تاریخ کی اہمیت بیان کی اور اس سلسلے میں قرآن سے استدلال کیا یہ مقالات اسی کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ ماضی میں البیرونی اور ابن خلدون نے قرآن کی طرف سے تاریخ کے مطالعہ پر زور دے کر اقبال کی سمت فکر کو ہی اختیار کیا تھا ۔ اقبال کے کلام میں حرم کا تصور اور اقبال کا مرد یقین اسلامی فقہ کی تدوین نو اور اقبال اور صوفی اختلاف و اتفاق کی کہانی اور غایت حیات اہم مقالات ہیں تاہم یہ کتاب کسی ایک موضوع پر نہیں بلکہ متعدد مقالات کا مجموعہ ہے ۔گو یہ تمام مقالے وقیع اور فکر انگیز ہیں مگر کتاب کی مجموعی حیثیت کو متاثر کرتے ہیں ۔

اقبالیات پر لکھے گئے مختلف مقالات کے متعدد مجموعے بھی شائع ہوئے ہیں ۔ مثلاً اقبال ریویو کے مقالات اردو اور انگریزی کے دو مجموعے 'صحیفہ اقبال' مرتب یونس جاوید ، پروفیسر سعید اے شیخ کا مجموعہ مقالات ، حفیظ ملک کا مجموعہ 'Iqbal A Poet Philosopher of Pakistan' ، گوہر نوشاہی کا 'مطالعہ اقبال' یا میرے مرتب کردہ مجموعوں کا سلسلہ جو 'اقبال ۸۴' و 'اقبال ۸۵' اور 'اقبال ۸۶' کے نام سے سامنے آیا ہے اور جو ہر سال شائع ہوا کرے گا اور جو ہر سال کے مقالات پر مشتمل ہوگا اور یہ اس سال کے نام سے موسوم ہوگا ۔ یہ دراصل سال بھر میں شائع ہونے والے مقالات کا جامع انتخاب ہوتا ہے ۔ غلام دستگیر رشید کے مجموعے اصغر علی کی 'اقبال باکمال' ، غرض مجموعہ ہائے مقالات کی کوئی حد ہی نہیں ہے لہٰذا انھیں یہاں پیش نہیں کیا گیا ۔

نفسیات کے حوالے سے اقبال پر کام نہ ہونے کے برابر ہے ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کا مختصر مقالہ اقبال کے نفسیاتی منابع اور ڈاکٹر سلیم اختر کی کتاب اقبال کا نفسیاتی مطالعہ ہی شائع ہوئیں ۔ ڈاکٹر سلیم اختر نے فکر و فن اقبال کی تشکیل میں اقبال کے خاندانی اور ذاتی احوال کے حوالے سے یہ بڑی پتے کی بات کی ہے کہ اقبال فن کی جس عظمت پر ہیں وہ کبھی ماند نہیں پڑ سکتی چاہے اقبال کو فرشتہ بنا دیا جائے یا چاہے ان کی شخصی کمزوریوں کو اچھالا جائے ۔ اقبال ، اقبال ہے اور اقبال کی عظمت اس کا انسان ہونا ہے ۔

حال ہی میں پروفیسر ڈاکٹر اسلم انصاری کی ایک کتاب 'اقبال عہد آفریں' شائع ہوئی ہے جسٹس جاوید اقبال کے بقول 'اقبال عہد آفریں' میں مجموعی طور پر اقبال کی شاعری اور ان کے افکار کے ان تمام پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے جن کا تعلق ہماری عظیم مشرقی ادبی روایات سے بھی ہے اور ہمارے حال اور مستقبل سے بھی ۔ اقبال عہد آفریں اس حقیقت کا تجزیہ پیش کرتا ہے کہ اقبال نے کس طرح ہماری اجتماعی زندگی کو تہذیبی ، فکری ، سیاسی اور ادبی سطح پر متاثر کیا ہے اور وہ نیا عہد جسے اقبال نے تخلیق کیا کن معنوی مشتملات سے عبارت ہے ۔ اس کتاب میں تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ پر اسلامی افکار کے تناظر میں بحث کرتے ہوئے فاضل مصنف نے لکھا ہے کہ اس کتاب نے کئی صدیوں کے ذہنی اور فکری جمود کے بعد اسلامی فکر میں ایک ایسے انقلابی تموج اور ایک نئے موڑ کی حیثیت حاصل کر لی ہے جس سے ہم عصر حاضر میں اسلام کی تمدنی ضرورتوں کا ادراک کر سکتے ہیں ۔ خطبات اقبال مصنف

کی نظر میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور مولانا شبلی نعمانی کی روایات کی جدید پیرایہ اظہار میں توسیع ہے ۔ فاضل مصنف کی رائے میں اگر اقبال کی مثنوی رموز بے خودی اور خطبات کے آخری تین ابواب کا غائر مطالعہ کیا جائے تو ایک نتیجہ خود بخود ابھر کر سامنے آ جاتا ہے اور وہ یہ کہ خودیابی یا خود فہمی ، خود شناسی ، خود آگہی اقبال کے نزدیک مسلمانوں کی اجتماعیت کی حیات ثانیہ کے لیے نقطہ آغاز کی حیثیت رکھتی ہے ۔

علامہ اقبال پر لکھی جانے والی چند فکر انگیز کتابوں میں عزیز احمد کی کتاب 'اقبال ایک نئی تشکیل' کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہے ۔ اس کتاب کی خصوصیت اس کی موضوعاتی قاموسیت ہے تاہم بے شمار موضوعات پر حاوی ہونے کی وجہ سے کسی ایک موضوع سے بھی اس کتاب میں انصاف نہیں ہو سکا ۔ کتاب میں علامہ اقبال کی شاعری اور ذہنی ارتقا کو وطن پرستی ، اسلامی شاعری ، انقلابی شاعری اور اقبال کے نظریہ فن کے حوالے سے پیش کیا گیا ہے اقبال کی انقلابی شاعری اور نظریہ فن والا حصہ خاصا اہم ہے کیونکہ اس میں اقبال کی انقلابی شاعری کو خصوصیت سے نمایاں کیا گیا ہے اور اقبال کی مختلف علامتوں مثلاً جگنو ، شاہین ، لالہ وغیرہ کی معنویت عیاں کی گئی ہے ۔

ادارہ تحقیقات اسلامی کے ممتاز سکالر مظہرالدین صدیقی کی انگریزی تصنیف 'اسلامی ثقافت اقبال کی نظر میں' علامہ کے افکار و نظریات پر ایک مختصر مگر عمدہ کتاب ہے ۔ اس کتاب کا سلطان زبیری نے اردو میں ترجمہ بھی کیا ہے ۔ میرے خیال میں اسے ان چند عمدہ کتب میں شمار

کیا جانا چاہیے جو علامہ کے فلسفہ و فکر پر لکھی گئی ہیں ۔ کیونکہ اس کتاب میں علامہ کے خطبات کے پانچویں اور چھٹے باب کے موضوعات کو زیر بحث لایا گیا ہے جن میں قرآن کا یونانیت کے منافی ہونے اور اجتہاد اور تصوف پر علامہ نے اظہار خیال کیا ۔ اس کتاب میں بتایا گیا ہے کہ فکر اقبال کی روشنی میں عصر حاضر میں اسلامی قانون سازی کو کس طرح بروئے کار لایا جا سکتا ہے اور قرآن مجید کی روح کیونکر یونانیت کے خلاف ہے ۔ فاضل مصنف نے علامہ کے اس اجتہادی رویے کے تحت چند جدید عصری تصورات کو اسلامی نقطۂ نظر سے پرکھتے ہوئے ایک جدید اسلامی ریاست کے جمہوری خد و خال کو واضح کیا ہے اور اسلامی جمہوریت کے اقبالی استدلال کو جدید اسلامی ، فلاحی اور جمہوری ریاست کے لیے محکم کیا ہے ۔ اور اقبال کے نظریات اجتہاد کے تحت فقہ کی جدید عصری حالات اور تقاضوں کے مطابق تشکیل کو لازمی قرار دیا ہے ۔ یہ کتاب دراصل فکر اقبال کی اسلامی فکر و حکمت کی روشنی میں توثیق کا عمل ہے اور خالصتاً اسلامی فکر کی روایت سے مربوط ایک اچھی کوشش ہے جو فکر اقبال کی گہری تفہیم کا احساس دلاتی ہے ۔ یہ کتاب عصر جدید میں اسلامی قانون سازی کی نئی جہتوں کا تعین کرتی ہے ۔

اعجاز الحق قدوسی کی کتاب 'اقبال اور علمائے پاک و ہند' اقبال اکادمی کی طرف سے شائع کردہ ایک اچھی کاوش ہے ۔ آپ نے کس ذہنی فضا میں آنکھ کھولی اور اقبال کو برصغیر کے علماء کے توسط سے کیا فکری اور علمی وراثت ملی یہ کتاب اس کو بخوبی عیاں کرتی ہے ۔

اقبال کی خوبی یہ ہے کہ وہ خلا میں معلق نہیں وہ اپنے تمام تر تجدد کے باوجود اپنی فکری اور علمی وراثت سے نہ صرف آگاہ ہیں بلکہ اس کے مستحسن پہلوؤں کو قبول کرتے ہوئے اور ان پر انتقادی نگہ ڈالتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں - برِصغیر میں جس قدر بھی تفہیم قرآن اور اسلامی علوم کی توضیح و تشریح کا کام ہوا وہ اقبال کی نظر میں رہا چنانچہ اقبال نے ان تمام سے استفادہ کیا . اعجازالحق قدوسی کی یہ کتاب اس لحاظ سے اہم ہے کہ یہ ہمارے علماء کی فکری روایت سے اقبال کے ارتباط کی مختلف نوعیتوں کی تفہیم ہمیں احسن طور پر دیتی ہے - اس کتاب میں برِصغیر میں اسلام کے آغاز سے لے کر اقبال کے معاصر علماء تک کا ذکر ہے جن سے اقبال کے ذہنی ، علمی اور فکری روابط رہے ہیں - یہ کتاب اس تاثر کو غلط ثابت کرتی ہے کہ اقبال کو علماء کا احترام نہیں تھا اقبال تو اہلِ علم کے لیے سراپا نیاز رہے - انھیں صرف جامد کٹھ ملائیت سے چڑ تھی -

'اسلامی تصوف اور اقبال' ڈاکٹر ابوسعید نورالدین کا پی ایچ ڈی کا تھیسس ہے - ڈاکٹر ابو سعید نورالدین نے بڑی محنت سے اقبال کے نظریہ تصوف کو پیش کیا ہے کہ اقبال فلسفہ تصوف کے خلاف نہ تھے بلکہ اقبال کی مثنوی اسرار خودی تصوف کے صرف ان اسلامی عناصر کے خلاف ایک احتجاج تھی جو استبداد زمانہ سے اس میں داخل ہو گئے تھے اور جنہوں نے مسلمانوں میں خانقاہی نظام کو پروان چڑھا کر ملوکیت کا گرویدہ اور ترک دنیا کا دلدادہ بنا کر ان سے کشور کشائی اور جہاں بانی کی حرکت و عمل چھین لی - اقبال ایک ایسے تصوف کے قائل تھے جو

ان کے نفس کو پاکیزگی اور طہارت عطا کر کے اسے ایک ایسے مثالی انسان کی حیثیت سے سامنے لاتا ہے جو قوموں کی امامت کا منصب ادا کرتا ہے جس سے ایک خلاق کردار جنم لیتا ہے ۔ ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی کی کتاب 'اقبال اور مسلک تصوف' اور ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی کتاب 'اقبال اور تصوف' بھی اقبال کے ان ہی تصورات کو نمایاں کرتی ہیں ۔ خود علامہ اقبال کی کتاب 'تاریخ تصوف' جسے صابر کلوروی نے مرتب کر کے شائع کیا ہے اقبال کے اس انداز فکر کی غماز ہے ۔

میرے نزدیک اقبال پر ایک اہم اور معتبر کتاب خلیفہ عبدالحکیم کی کتاب فکر اقبال ہے جو اقبال پر بڑی جامعیت کے ساتھ لکھی گئی ہے ۔ اس کتاب میں اقبال کے ذہنی ارتقا کے ساتھ ساتھ اقبال کے تصورات پر نقد و تبصرہ بھی شامل ہے پوری کتاب پر یہاں مفصل گفتگو تو ممکن نہیں مگر شاید خلیفہ عبدالحکیم نے اس کتاب میں اقبال کی خود بھی درست طور پر تفہیم نہیں کی ۔ مثلاً اقبال کے بارے میں تین ابواب میں اشتراکیت جمہوریت اور عقل پر اقبال کی تنقید میں خلیفہ صاحب بات کو درست طور پر سمجھ نہیں پائے ۔ اقبال نے کبھی بھی جمہوریت کی مخالفت نہیں کی ۔ جمہوریت کو چھوڑ کر اقبال نے کبھی مطلق آمروں یا بادشاہوں کی حمایت نہیں کی ۔ اس پر تفصیلی بات میں نے اپنی کتاب 'جمہوریت پاکستان میں' ، میں کی ہے ۔ اقبال جو منتخب پارلیمان کو حق اجتہاد دیتا ہے کس طرح آمروں کو قبول کر سکتا ہے ۔ جمہوریت پر اقبال کے بعض جائز اعتراضات تھے ۔ ان کی طرف انہوں نے اپنے کلام میں اشارے کیے ہیں ۔ اقبال اپنے روحانی جمہوریت اور سوشل جمہوریت کے تصورات سے ان

اعتراضات یا جمہوریت کے نقائص کو دور کرنا چاہتے تھے جب کہ خلیفہ صاحب کے مضمون سے یہ تاثر ملتا ہے کہ جیسے علامہ جمہوریت کے مخالف تھے ۔ اسی طرح اقبال اشتراکیت کو ایک نئے تجربے کی حیثیت سے دیکھنے کی طرف اشارہ کرتے ہیں ۔ مغرب کی نسل پرستی اور نسلی اور قومی نیشنلزم کے بالمقابل اقبال اشتراکیت کی انسانیت پرستی اور غریبوں اور محروم طبقات کی معاشی فلاح کے تصورات کو زیر مطالعہ لانے اور انہیں اسلام سے قریب پانے کی بات کرتے ہیں اور مسلمانوں کو اسلام کے قل العفو کے فلسفہ کی طرف راغب کرتے ہیں جب کہ خلیفہ صاحب یہ تاثرات دیتے ہیں جیسے اقبال اشتراکیت کے لیے کوئی نرم گوشہ رکھتے تھے ۔ اسی طرح خلیفہ حکیم نے عقل پر اقبال کی تنقید کو بھی درست طور پر نہ سمجھا ۔ اقبال عقل کی تحدیدات کی بات کرتے ہیں ورنہ جب اقبال خود وحی اور فکر میں ایک نامیاتی رشتہ کو قبول کرتے ہیں تو وہ کس طرح عقل کے خلاف ہو سکتے ہیں ۔ اقبال کے ان تینوں تصورات کے بارے میں 'فکراقبال' کنفیوژن کی شکار ہے ۔ اگرچہ بحیثیت مجموعی فکراقبال علامہ اقبال پر ایک اچھی کتاب ہے ۔

علامہ اقبال کی سیاسی فکر پر تین بڑی عمدہ کتابیں شائع ہوئی ہیں ۔ ایک تو محمد احمد خان کی کتاب 'اقبال کا سیاسی کارنامہ' ہے ۔ دوسری کتاب رئیس احمد جعفری کی 'اقبال اور سیاست ملی' ہے جب کہ تیسری ڈاکٹر پروین شوکت کی کتاب 'The political philosophy of Iqbal' ہے ۔ ڈاکٹر عبدالحمید کی اقبال بحیثیت مفکر پاکستان بھی علامہ اقبال کی سیاسی فکر پر محیط کتاب ہے ۔ اسی طرح 'اقبال کے آخری دو سال'

علامہ کے سیاسی افکار و نظریات کو پیش کرتی ہے اس کتاب کے مصنف ڈاکٹرعاشق حسین بٹالوی ہیں ۔ 'اقبال کا سیاسی کارنامہ' اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس میں بڑی تفصیل کے ساتھ اقبال کے سیاسی نظریات پیش کئے گئے ہیں اس کتاب میں اس بات کو بھی بیان کیا گیا ہے کہ لفظ 'پاکستان' خود چودھری رحمت علی نے علامہ اقبال سے ۱۹۳۱ء میں لندن میں گول میز کانفرنس کے موقع پر سنا تھا اور اقبال نے بتایا تھا کہ یہ لفظ کس طرح بنتا ہے ۔ جنہیں اقبال نے انگریزی حروف سے مرتب کیا یعنی محمد احمد خان کے نزدیک لفظ 'پاکستان' چودھری رحمت علی کا ایجاد کردہ نہیں بلکہ خود اقبال کا وضع کردہ ہے ۔ اقبال کے جداگانہ انتخاب اور دو قومی نظریہ اور اس کے تحت پاکستان کے حصول کی بڑی عمدگی سے تفصیل دی گئی ہے ۔ 'اقبال اور سیاست ملی' میں رئیس احمد جعفری نے احیائے ملت کے لیے برصغیر میں اور عالمی سطح پر اقبال کی نظریاتی اور سیاسی جنگ کو بڑی خوبی سے بیان کیا ہے اور اقبال کو اس سلسلے میں کس طرح اور کس کس محاذ پر لڑنا پڑا کی مکمل تفہیم اس میں موجود ہے ۔ ڈاکٹر پروین شوکت نے بھی علامہ کی سیاسی فکر کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ برصغیر کے سیاسی تناظر میں پیش کیا ہے ۔ حال ہی میں سید نور محمد قادری نے 'اقبال کا آخری معرکہ' کے نام سے ایک اچھی کاوش کی ہے ۔ اس کتاب میں اقبال کے اسلامی قومیت پر اصرار اور نظریہ ملت از وطن است کا پس منظر بیان کرتے ہوئے مولانا حسین احمد مدنی کے مکتب فکر پر اقبال کے شدید رد عمل کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ اقبال نے اپنے مقالہ 'جغرافیائی حدود اور مسلمان' اور طالوت کے مقالے کے جواب میں

جس نئے نظریے کو پیش کیا تھا وہ یہ تھا کہ ملت وطن سے نہیں بلکہ نظریے سے وجود میں آتی ہے ۔ اس کتاب میں اس بات کو بھی بیان کیا گیا ہے کہ اقبال کے رجوعی بیان کے بعد اور بالخصوص ان کی وفات کے بعد بھی حسین احمد مدنی گروپ کانگریس کے نظریات پر قائم رہا جس کی بنا پر اُن کا اور ان کے ساتھیوں کا مسلم لیگ سے اخراج ہوا ۔ نور محمد قادری کے نزدیک حسین احمد مدنی کی جنگ نظریاتی یا علمی نہ تھی بلکہ اس کے محرکات میں کانگریس کی تحریص بنیادی عنصر تھا اور اقبال نے اس آخری معرکہ میں کانگریس کے تارو پود بکھیر کر رکھ دیے جس کے نتیجہ میں بالآخر دو قومی نظریے کو فتح مبین حاصل ہوئی ۔

علامہ اقبال کی فارسی شاعری کے حوالے سے ڈاکٹر وزیرالحسن عابدی کی کتاب 'اقبال کی فارسی شاعری کے ماخذ' ، ڈاکٹر محمد ریاض کی 'اقبال اور فارسی شعرا' اور حال ہی میں شایع ہونے والی رفیق خاور کی کتاب 'اقبال کا فارسی کلام' اور پروفیسر محمد منور کی کتاب 'اقبال کی فارسی غزل' چند اہم کتب ہیں ۔ اسی طرح ڈاکٹر محمد اکرم کی کتاب 'اقبال در راہ مولوی' اور ڈاکٹر محمد ریاض کی کتاب 'جاوید نامہ توضیح و تحقیق' مفید کتب ہیں جن سے اس بات کی تفہیم ہوتی ہے کہ اقبال نے فارسی شاعری کو ایک خاص مقصد کے لیے اپنایا ۔ ایک تو اردو زبان میں ان کے افکار کی وسعت نہیں سما رہی تھی دوسرے فارسی میں ابلاغ مضامین آسان تھا تیسرے اقبال کے خیال میں عربی کے بعد مسلمانوں کی تہذیبی اور تمدنی زبان کی حیثیت سے فارسی کی بڑی اہمیت تھی اور فارسی افغانستان ، ایران اور برصغیر میں سمجھی جاتی تھی ۔ یعنی ملت اسلامیہ کا زیادہ حصہ فارسی

کو جانتا تھا ۔ اقبال کا مخاطب یہی خطہ تھا اور بعد میں انقلاب ایران اور انقلاب افغانستان نے یہ ثابت کردیا ہے کہ اقبال کا یہ فیصلہ درست تھا ۔ یہ چاروں پانچوں کتابیں فارسی میں اقبال کے کلام کی معنویت اور فارسی زبان سے اقبال کے تہذیبی اور تمدنی روابط کے گہرے ابلاغ پر مشتمل ہیں ۔

اقبال کے ایک مفسر کی حیثیت سے پروفیسر محمد منور کو ایک خصوصی مقام حاصل ہے ۔ اس وقت تک ان کی اقبال پر کتب میں 'میزان اقبال'، 'برہان اقبال' ، 'ایقان اقبال' اور 'اقبال کی فارسی غزل' اردو/فارسی میں شائع ہو چکی ہیں ۔ انگریزی میں بھی ان کی تین کتب 'Iqbal-Poet Philosopher of Islam,' 'Iqbal and Quranic Wisdom,' 'Dimensions of Iqbal' ہیں ۔ پروفیسر محمد منور اقبال کے شیدائی ہیں ۔ ان کا انداز تحریر توضیحی اور تشریحی ہے ۔ علامہ اقبال کے بنیادی تفکرات اور خیالات کی تفہیم میں ان کا رویہ بڑی معاونت کرتا ہے ۔ ایقان اقبال میں ان کا مقالہ تصور تقدیر سب سے اہم ہے جس میں وہ اقبال کے تصور تقدیر کی تفہیم کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ تقدیر اقبال کے نزدیک کھلے امکانات میں چناؤ یا انتخاب کا نام ہے ۔ انسان کسی پہلے سے طے شدہ مقدر میں جکڑا ہوا نہیں بلکہ وہ ہر لحظہ اپنے انتخاب اور چناؤ سے کھلے امکانات سے اپنا مقدر تراشتا رہتا ہے ۔ فکری سطح پر پروفیسر صاحب کی یہ کتاب سب سے اہم ہے اس کے دیگر مقالات اقبال اور براہمی نظر ، اقبال اور تعلیم آدمیت ، اقبال کا تصور ملت ، اقبال اور مرگ مجازی اور فقر کلام اقبال کی روشنی میں نہایت فکر انگیز مقالات ہیں جب کہ 'میزان

اقبال' ، علامہ اقبال کا ادبی اور فنی جائزہ ہے ۔ اس میں کلام اقبال میں عجم کا مفہوم اور توازن اقبال کی شاعری کا ایک پہلو ، نہایت اہم ہے کہ اقبال کے نزدیک عجم سے مراد ایران نہیں بلکہ غیر اسلامی اور غیر قرآنی نظریات اقبال کے نزدیک عجمی تصورات ہیں ۔ 'برہان اقبال' دراصل ہم پر یہ عیاں کرتی ہے کہ اقبال کی فکر کا سرچشمہ قرآن ہے ۔ قرآنی تصور تاریخ اقبال کا مرد یقین اقبال اور اجتہاد اور جہان اقبال جہان قرآن یہ تمام موضوعات اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ اقبال کی فکر کا مرکز و محور قرآن تھا اس طرح کی ایک کاوش 'اقبال اور قرآن' کے نام سے ڈاکٹر غلام مصطفٰی خان کی ہے انہوں نے اقبال کے اردو اور فارسی اشعار کے پہلو بہ پہلو قرآن کی آیات رکھ کر ثابت کر دیا ہے کہ کلام اقبال قرآن کا اعجاز معجز بیان ہے ۔ پروفیسر منور کی کتاب 'اقبال اینڈ قرآنک وزڈم' بھی بنیادی طور پر اسی بات کو عیاں کرتی ہے ۔ اور ان کی کتاب 'اقبال پوئٹ فلاسفر آف اسلام' دراصل 'ایقان اقبال' اور 'میزان اقبال' کے مقالات کے انگریزی تراجم پر مشتمل ہے ۔ فکری سطح پر 'ڈائی منشن آف اقبال' پروفیسر صاحب کی ایک محکم کتاب ہے ۔ تاہم ان کی اس بات سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا کہ اقبال جمہوریت کے خلاف تھے البتہ پروفیسر صاحب کی یہ بات درست ہے کہ جمہوریت میں اجتہادات کرکے ہمیں چاہئیے کہ اسے اپنے نصب العین زندگی کے قریب لائیں ۔ اور اس طرح ہم اقبال کے مقصد کو پا سکتے ہیں ۔

اقبال کے تعلیمی نظریات پر بھی چند اہم کتب موجود ہیں ۔ ان میں محمد احمد خان کی کتاب 'اقبال اور مسئلہ تعلیم' ، پروفیسر بختیار صدیقی

کی کتاب 'اقبال بحیثیت مفکر تعلیم' ، خواجہ غلام السیدین کی 'Iqbal's Educational Philosophy' ، میاں محمد طفیل کی کتاب 'اقبال اور ایجوکیشن' تمام ہی اہم ہیں ۔ اقبال مسلمانوں کی تعلیم کو بڑی اہمیت دیتے تھے انھوں نے خود بھی مسئلہ تعلیم ، بچوں کی تعلیم اور مسلمان عورتوں کی تعلیم پر لکھا ۔ یہ تمام کتب ایک اہم مسئلے پر اقبال کے تصورات کا احاطہ کرتی ہیں ۔ خواجہ غلام السیدین کی انگریزی میں اور پروفیسر بختیار حسین صدیقی کی کتاب اردو میں اس موضوع پر اہم ہیں ۔ پروفیسر صدیقی نے اقبال کے فلسفہ تعلیم کے نظریاتی آہنگ کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ ان کے مقاصد تعلیم کے ضمن میں اجاگر کیا ہے اور مغربی فلاسفہ تعلیم سے تقابلی جائزے میں اقبال کے فلسفہ تعلیم کے خدوخال نمایاں کیے ہیں اور اعلیٰ نظری اور عملی افادیت کو بیان کیا ہے ۔ میاں محمد طفیل اور محمد احمد خان کی کتب بھی مسئلہ تعلیم کے ضمن میں اسی نوعیت کی ہیں اور ہمیں ایک جدید اسلامی فلاحی ریاست کے نظام تعلیم کی تدوین میں اقبال سے استفادے کی راہ سمجھاتی ہیں ۔ خصوصاً محمد احمد خان نے تو اقبال کو بحیثیت معلم و مفکر تعلیم اور جدید بے مقصد تعلیم کے نقاد کی حیثیت سے نمایاں کیا ہے اور اقبال کے مقاصد تعلیم کو بڑی خوبصورتی سے نبھایا ہے ۔

پروفیسر حق نواز کی تازہ کتاب 'اقبال ایوان اسمبلی میں' اس لحاظ سے منفرد ہے کہ یہ پہلی کتاب ہے جو اقبال کو بحیثیت پارلیمنٹیرین کے سامنے لاتی ہے کہ اقبال نے رکن اسمبلی کی حیثیت سے ایک موثر کردار ادا کیا اور مسلمانوں کے بالخصوص پنجاب کے مسلمانوں کے فکری

اور اطلاقی مسائل پر ایک قدآور شخصیت کے طور پر اپنا کردار نبھایا جو ۵ مارچ ۱۹۲۷ء سے ۷ مارچ ۱۹۳۰ء تک محیط ہے ۔ اس کتاب کے مطالعہ سے اقبال کے اس کرب کا اندازہ کیا جا سکتا ہے جو انھیں برصغیر کے مسلمانوں کے سیاسی ، تہذیبی اور تمدنی وجود کو درپیش خطرات اور ان کی پیش بندی کے حوالے سے لاحق تھا ۔

ڈاکٹر محمد طاہر فاروقی کی کتابیں 'سیرت اقبال' اور 'اقبال اور محبت رسول' منفرد اہمیت کی حامل ہیں ۔ ڈاکٹر محمد طاہر فاروقی اقبال کے عاشق صادق تھے ۔ انھوں نے سیرت اقبال میں ایک مفکر تحریک اور زندہ جاوید اقبال کو پیش کیا اور اقبال اور محبت رسول میں وہ سارے ہی شواہد جمع کر دیے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم سے اقبال کی محبت پر دلیل ہیں ۔ فاروقی صاحب کی نظر میں اقبال کی محبت عام سی محبت نہ تھی بلکہ ایک ایسی محبت تھی جو اقبال کے لیے فکر و خیال کی وحدت اور ایقان و ایمان کی یکتائی کی مظہر تھی اور جس نے اقبال کے سیرت و کردار کو ایک ایسے مفکر کی کٹھالی میں ڈھالا جس نے بیسویں اور اکیسویں صدی میں مسلمانوں کی ذہنی ، فکری اور سیاسی قیادت کی ہے ۔ طاہر فاروقی کے نزدیک یہ اقبال کی محبتِ رسول کا فیضان ہے ۔

ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار کی کتاب 'اقبال ایک مطالعہ' ان کی دوسری اہم کتاب ہے جو اگرچہ ان کے مختلف مقالات و مضامین کا مجموعہ ہے مگر یہ تمام مقالات گہرے تدبر و تفکر کے ساتھ اقبال کی فکر کی مختلف پرتوں کو کھولتے ہیں ۔ ان مقالات میں کشور پنجاب اور اقبال اور اقبال کے عمرانی تصورات اہم ہیں چند شخصیات مثلاً جمال الدین

افغانی ، کمال اتاترک ، اکبر الہ آبادی اور ظفر علی خان کے ساتھ اقبال کے ذہنی اور قلمی تعلقات کی تفصیل بیان کرتے ہیں اقبال پر بے شمار مقالات کے مجموعے مرتب کیے گئے ہیں ۔ تاہم میں ڈاکٹر سید عبداللہ کا مرتبہ مجموعہ مضامین جس کا نام 'متعلقات خطبات اقبال' ہے کو نظرانداز نہیں کر سکتا یہ تمام مقالات خطبات اقبال کے حوالے سے ہیں ۔ عبدالحفیظ کاردار کا مقالہ 'اقبال اور ذہنی تجربہ' ، ڈاکٹر عبداللہ چغتائی کا 'اقبال کا جنوبی ہند کا سفر' ، 'اعلام خطبات اقبال' از ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار ، پروفیسر محمد منور کا 'تصور تقدیر' ، چوہدری مظفر حسین کا 'اقبال کا تصور بقائے دوام' اور ڈاکٹر امین اللہ وثیر کا 'خطبات میں حکمائے اسلام کے حوالے' اور 'اقبال اور رازی' اور 'اقبال اور شبستری' پر ڈاکٹر سید عبداللہ کا اپنا مقالہ نہایت دقیق مقالات ہیں ۔ یوں یہ کتاب خطبات کی تفہیم میں ایک اہم امدادی کتاب ہے ۔ اسی طرح 'منتخب مقالات' اردو اور انگریزی از ڈاکٹر وحید قریشی بڑی اہمیت کی حامل ہیں ۔ ان میں اشپنگلر اقبال اور مسئلہ تقدیر اور جناح اقبال اور تصور پاکستان از عبدالحمید کمال اور ڈاکٹر وزیر آغا کا اقبال اور اشپنگلر ایسے مقالات ہیں جو کسی طور نظر انداز نہیں کیے جا سکتے ۔ عبدالحمید کمال کے اردو اور انگریزی مقالات جنھیں میں نے مرتب کیا ہے بزم اقبال شائع کر رہی ہے ۔ کمالی صاحب کے مقالات کو جن احباب نے بھی پڑھا ہے وہ اس بات کی تصدیق کریں گے کہ وہ اقبالیات کے ایک ممتاز اور جید عالم ہیں ۔ خصوصاً زمان و مکان کے حوالے سے اقبالیات رسالے میں ان کا سلسلہ مضامین خاصے کی چیز ہے میری مرتب کتاب زمان و مکان ناشر سنگ میل پبلی کیشنز میں اقبال کے تصورات زمان پر دیگر مقالات کے ساتھ یہ بھی شائع ہوئے ہیں ۔

اشپنگلر کا ذکر آیا ہے تو اقبال کے اس ہم عصر جرمن مفکر پر ڈاکٹر وزیر آغا کا مقالہ بہت اہم ہے۔ ڈاکٹر وزیر آغا کی کتاب 'تصورات عشق و خرد' اقبالیات کی نہایت سنجیدہ کتب میں سے ہے۔ ڈاکٹر وزیر آغا نے تصورات اقبال کے یورپی اور اسلامی پس منظر کو اجاگر کرتے ہوئے فکر اقبال میں خرد اور عشق کی اہمیت کو بیان کیا ہے۔ ڈاکٹر وزیر آغا لکھتے ہیں اقبال کے ہاں اصل صورت یہ پیدا ہوئی کہ عشق کی بے پناہ رفتار نے کرمکِ نادان کو کرمک شب تاب کا درجہ عطا کر دیا لیکن اقبال کا باطن تجسس کے ادوار کو عبور کرکے ایک ایسی انوکھی چکا چوند سے بہرہ مند ہو گیا جس کے لیے مناسب ترین لفظ آگہی ہے، آگہی نہ تو عشق ہے اور نہ عقل، گو اس میں عشق کا مہیا کردہ جلوہ بھی موجود ہے اور عقل کا مہیا کردہ شعور بھی، آگہی بیداری' ذات یا شعور ذات کا دوسرا نام ہے۔ یہ ایک ایسا مقام ہے جہاں عشق اور عقل کی تفریق ختم ہو جاتی ہے اور وہ اس کائنات کی تخلیقی سطح پر سانس لینے لگتا ہے اقبال نے آگہی کے اس روپ کے لیے خودی کا لفظ استعمال کیا ہے جو ہر اعتبار سے مستحسن ہے۔ ڈاکٹر وزیر آغا نے عقل و عشق کے بارے میں صوفیا اور عقلیت پسندوں، دونوں کے رویوں کو بالتفصیل بیان کرتے ہوئے اقبال کی اس الجھن کو بڑی عمدگی سے عیاں کیا ہے کہ اقبال عقل کی تحدیدات اور عشق کی حدود دونوں سے آگاہ تھے اور دونوں کو انھوں نے اپنے تصور آگہی یا خودی میں سمو کر انسان کے تخلیقی کردار کو اجاگر کرنے کی سعی کی تاکہ وہ انفس و آفاق کی وسعت کو اپنے زیرِ نگیں کر سکے۔

پروفیسر فتح محمد ملک کی کتاب 'اقبال فکر و عمل' اقبالیات میں ایک خصوصی مقام کی حامل ہے۔ فتح محمد ملک، اقبال کے جمہوری اور انقلابی تصورات کے حوالے سے اس بات کو واضح کرتے ہیں کہ نوآبادیاتی چنگل میں پھنسے ہوئے منجمد معاشرے کو اقبال کی فکر نے کس طرح حرکت و عمل سے متحرک کیا۔ پروفیسر ملک کا انداز تجزیاتی اور تفلسف فکر انگیز ہے۔ پروفیسر فتح محمد ملک کے مطابق علامہ اقبال نے پاکستان کا خواب دیکھا اور قائداعظم نے مسلمانانِ برصغیر کے بھرپور تعاون سے اس خواب کو ٹھوس تعبیر مہیا کر دی چنانچہ نظریہ پاکستان کو اقبال اور قائداعظم کے ارشادات سے الگ کر کے دیکھنے والے پاکستان کے بنیادی تصور کی نفی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ فتح محمد ملک نے تصور پاکستان کو اقبال کے نظام فکر سے مربوط کیا ہے اور بجا طور پر یہ فیصلہ سنایا ہے کہ پاکستان کی بقا اور ترقی فکر اقبال اور پیغام اقبال کی سچی اور دیانت دارانہ تعبیر پر منحصر ہے۔ وہ فکر اقبال کو پاکستان کی سیاسی، معاشی، تہذیبی اور ثقافتی زندگی میں کارفرما دیکھنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ یہی پاکستان کی حفاظتی فصیل ہے۔ پروفیسر فتح محمد ملک نے ترقی پسندوں کی اقبال ناشناسی کے اصل محرک کو سیاسی قرار دے کر اسے اپنے ہاں اجاگر کیا ہے پروفیسر ملک اقبال کے مطالعہ کو بیک وقت سرچشمہ علم اور وظیفہ عمل قرار دیتے ہیں جس کا ہماری قومی حیات نو کے ساتھ ایک زندہ اور نامیاتی رشتہ ہے۔ پروفیسر صاحب نے جن موضوعات پر اس کتاب میں اظہار خیال کیا ہے وہ اقبال۔ مجموعہ اضداد یا دانائے راز، اقبال اثبات نبوت اور پاکستان، اقبال اور سرزمین پاکستان،

پاکستان اور مشکلات لاالہ ، اقبال اور ہماری ثقافتی تشکیل ، اقبال اور ہماری ادبی تشکیل نو ، اقبال اور سرزمین پاکستان اور مسجد قرطبہ ۔ ساری کتاب ایک تخلیقی اور فکر انگیز رویے کی غماز ہے ۔

فکری سطح پر اقبال کی تفہیم کے لیے ایس ایم عمر فاروق نے جن کا حال ہی میں راولپنڈی میں انتقال ہو گیا ہے اپنی کتاب 'طواسین اقبال' میں عمدہ کوشش کی ہے ۔ اپنی کتاب جلد اول اور جلد دوم میں انہوں نے اقبال کے چند بنیادی تصورات کو بیان کیا ہے ۔ افلاطون ، نطشے حلاج اور اشپنگلر کے بارے میں اقبال کے رویے اور ترکوں کے اجتہاد ، کائنات اور وطنیت کے بارے میں اقبال کے تصورات ، اسی طرح ریاست ، عورت اور چند اور بنیادی تصورات اقبال کو سمجھنے کی ان کے ہاں ایک سنجیدہ کوشش کا سراغ ملتا ہے وہ فلسفیانہ بصیرت کے ساتھ نہایت سنجیدہ موضوعات کو سامنے لاتے ہیں تاہم ان کی تحریر طوالت بیان اور تکرار سے اس قدر آلودہ ہے کہ بعض اوقات Concepts درست طور پر سامنے نہیں آتے ۔

فنی سطح پر متعدد کتب اقبال کے فکر و فن کو نمایاں کرتی ہیں ۔ 'شعر اقبال' ، 'نقائس اقبال' اور 'تلمیحات اقبال' عابد علی عابد 'تشبیہات اقبال' نذیر احمد خان ڈاکٹر سعداللہ کلیم کی 'اقبال کے مشبہ بہ و مستعار منہ' کے نام سے مختصر کتاب ، 'مطالعہ تلمیحات و اشارات اقبال' از ڈاکٹر اکبر حسین قریشی 'اوزان اقبال' ابولاثر حفیظ صدیقی کی کتاب چند سنجیدہ کوششیں ہیں ۔ کتابوں کے نام ہی بتاتے ہیں کہ ان کا مقصد اقبال کے شعری محاسن کو پیش کرنا ہے ۔ اور یہ سب کتب فن شعر پر اقبال کی محکم گرفت پر دلالت کرتی ہیں ۔ ڈاکٹر

اکبر حسین قریشی نے تلمیحات قرآن ، تلمیحات حدیث ، فلسفیانہ تلمیحات ، تاریخی تلمیحات ، سیاسی تلمیحات بیان کرنے کے ساتھ ساتھ شعرائے مغرب و مشرق اور بعض خاص شخصیتوں کے کلام اقبال میں ذکر تک بات کو پھیلا دیا ہے اور ان کی روشنی میں اقبال کے رجحانات کو بیان کیا ہے تاہم میرا خیال ہے کہ اس ضمن میں 'تلمیحات اقبال' سید عابد علی عابد کو جو منفرد اعزاز حاصل ہے وہ اب بھی قائم ہے ۔

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر کی کتاب 'اقبال اور جمالیات' اپنے موضوع کے حوالے سے واحد ایسی کتاب ہے جو لائق مطالعہ ہے اس موضوع پر اور کوئی کتاب موجود نہیں ۔ خودی ، وحدت الوجود کے حوالے سے اس کتاب کا آغاز کیا گیا ہے اور حسن معروضی اور حسن موضوعی کے معیارات اور پیمانوں سے موضوعیت اور معروضیت کو جانچا گیا ہے ۔ ڈاکٹر ناصر نے حسن کے حرکی نظریے پر اقبال کے جمالیاتی تصورات کی اساس رکھی ہے اس کتاب کے دوسرے حصہ میں فن کی ماہیت ، مقصدیت ، فن اور فطرت تقلید ، غلامی اور اجتہاد کے حوالے سے اقبال کے ہاں موجود جمالیاتی ذوق کو نمایاں کیا گیا ہے ۔ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر نے کلام اقبال کا اشاریہ بھی مرتب کیا ہے جو ابھی شائع نہیں ہوا ۔ اقبالیات پر ڈاکٹر ناصر کی پختگی اور بلوغت کی یہ کتاب مظہر ہے ۔

اقبال کے بارے میں تین کتب ایسی بھی ہیں جو ناپسندیدہ حد تک مخاصمانہ ہیں ۔ یہ محمد امین زبیری کی 'خدوخال اقبال' ، علامہ اقبال کے قادیانی بھتیجے شیخ اعجاز احمد کی 'مظلوم اقبال' اور سلیم احمد کی 'اقبال ایک شاعر' ہیں ۔ محمد امین زبیری بھوپال کی والیٔ ریاست

سلطان جہاں بیگم کے لٹریری اسسٹنٹ رہے ہیں ۔ اس سے قبل شبلی کی حیات معاشقہ لکھ کر مولانا شبلی نعمانی کی کردار کشی کر چکے ہیں ۔ صریحاً یہ کتاب اقبال کی کردار کشی کے ضمن میں آتی ہے کیونکہ اس میں کسی علمی موضوع پر بات کرنے کی بجائے چھوٹے چھوٹے واقعات کے بیان سے اپنی من مرضی کے نتائج اخذ کر لئے گئے ہیں ۔ اس طرح مظلوم اقبال کے مصنف شیخ اعجاز احمد نے قادیانیت کے حوالے سے خاندان اقبال پر حملہ کیا ہے اور کہا ہے کہ اقبال نے احراریوں کے بہلاوے میں آ کر قادیانیت کی مخالفت کو اپنا وطیرہ بنایا حالانکہ یہ بات صریحاً غلط ہے۔ اقبال نے خود مسلمانوں کے خلاف قادیانیوں کی ریشہ دوانیوں اور مسلمانوں کو خارج از اسلام تصور کرنے اور کشمیر ، بلوچستان ، اور پنجاب کو قادیانی صوبوں میں تبدیل کرنے کی کوششوں اور قیام پاکستان کو سبوتاژ کرنے کی سازش کے پیش نظر الگ اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کیا اور قادیانیت کو شرک فی النبوت کہا ۔ تیسری کتاب 'اقبال ایک شاعر' میں مصنف نے اقبال کی شاعری کو موچی دروازے کی شاعری قرار دیا ہے اور کہا کہ اقبال ہری بھری عورت سے خوفزدہ تھے اور غالباً کسی خوف ناک جنسی مرض میں مبتلا تھے ۔ اور اقبال کی شاعری موت سے فرار کی منفی بنیاد پر استوار کی گئی شاعری ہے ۔ اقبال کے شعری کردار شاہین پر بھی سوقیانہ انداز سے طنز کی گئی ہے ۔ دراصل کتاب کا مصنف لکھنوی تہذیب کا پروردہ ہے اور ایک خاص تعصب کا مارا ہوا ہے جو اردو و اہل زبان کے ساتھ مخصوص ہے ۔ اس کے لیے غیر اہل زبان کا اتنا بڑا شاعر ہونا صائب نہیں ۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ

اقبال کو ایک بڑا شاعر تسلیم کرتے ہوئے بھی اقبال سے چھلیں کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا گیا ۔ اقبال کی کردار کشی کے حوالے سے منشی عبدالرحمان خان نے ایسی ہی ایک کتاب شائع کی ہے جس میں ان تمام طبقات اور گروہوں کا تذکرہ کیا گیا ہے جو اقبال سے نظری اور فکری مخاصمت رکھتے ہیں ۔ ان میں کچھ زبان کے تعصب کے مارے ہوئے اور کچھ سکّہ بند اشتراکی ہیں ۔ ڈاکٹر منظور احمد نے شاعری اور فکریات کے حوالے سے اقبال کے مخالف تین طبقات کا اس کتاب میں بخوبی جائزہ لیا ہے ۔ سلیم احمد کے اقبال کے بارے میں رویے کا تجزیہ کرتے ہوئے ڈاکٹر منظور احمد لکھتے ہیں مجھے یہ کہنے میں تامل نہیں کہ جناب سلیم احمد میں اس فن کے لیے کم سے کم جو پیشہ ورانہ اہلیت درکار تھی مفقود ہے فاضل نقاد کو اعتراض ہے کہ انہیں اقبال کی ذاتی زندگی کا بہت کم علم ہے ۔ اس کمیٔ علم کے باوجود انہوں نے حضرت علامہ کے بارے میں ایک سنسنی خیز نتیجہ از خود اخذ کیا ہے کہ اقبال جنس اور جبلت سے خائف تھا ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں یہ میری قیاس آرائی ہے میرے پاس اس کا ثبوت نہیں ۔ یہ قیاس آرائی نہیں الزام تراشی ہے ۔ ڈاکٹر منظور احمد کے نزدیک سلیم احمد نے 'اقبال ایک شاعر' میں دانستہ اقبال کی شخصیت کو مسمار کرنے کی سعی کی ہے ۔

اقبالیات کے ضمن میں مرحوم بی ۔ اے ۔ ڈار کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ۔ علامہ کی چند اہم تصانیف کے انگریزی تراجم کے ساتھ ساتھ انہوں نے 'انوار اقبال' کے نام سے نوادرات اقبال بھی جمع کیے ہیں ۔ اسی طرح اقبال کے انگریزی خطوط کی بھی تدوین کی ہے مگر ان کا اصل کام

علامہ اقبال پر دو کتب میں نمایاں ہوا ہے ان کی ایک اہم تصنیف 'Iqbal and Post-Kantian Voluntarism' اور دوسری 'A Study in Iqbal's Philosophy' ہے۔ پہلی کتاب میں آپ نے اقبال کے کانٹ فشٹے شوپن ہار، ملٹن، گوئٹے، برگساں، نطشے، جیمز وارڈ، کار لائل، براؤننگ برنارڈشا، میکڈوگل اور ڈبلیو جیمز کے ساتھ تقابلی مطالعہ نہایت علمی اور فکری سطح پر کرتے ہوئے اس بات کو اجاگر کیا ہے کہ اقبال نے ان کے افکار و نظریات سے استفادہ ضرور کیا ہے مگر وہ ان فلاسفہ میں سے کسی کے پیرو نہیں بلکہ اقبال نے ان کے مطالعہ سے استنتاج حقائق کرتے ہوئے خود اپنے طبع زاد نتائجِ فکر مرتب کئے ہیں۔ اس کتاب پر مرحوم کو اقبال ایوارڈ بھی دیا گیا۔ تاہم بعض جگہ ان سے یہ تسامح بھی ہوا ہے کہ جیسے اقبال کا سارا فلسفہ ان ہی مغربی فلاسفہ کی خوشہ چینی ہے۔ غالباً بی۔ اے۔ ڈار کی اہلیت سے یہ موضوع زیادہ گہری تفہیم چاہتا تھا اور فلسفے کا پس منظر نہ رکھنے کی وجہ سے بی۔ اے۔ ڈار اقبال کے بارے میں مغالطوں کو جنم دینے کا باعث اس کتاب سے بن گئے۔ ان کی دوسری کتاب 'A Study in Iqbal's Philosophy' اقبال کے فرد اور معاشرے میں نظریات کی تفہیم پر مشتمل ہے۔ اس کتاب سے بی اے۔ ڈار نے اقبال کے تصورات کی تفہیم میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ مقالات ڈار کے نام سے ان کی اردو میں بھی کتاب اقبال اکادمی میں زیر طبع ہے۔ اسی طرح ان کے انگریزی میں مقالات بھی جمع کئے گئے ہیں۔ بی۔ اے۔ ڈار اقبال اکادمی کے ڈائرکٹر بھی رہے اور اقبال کے نظریات کو پیش کرنے میں انہوں نے بڑی محنت سے کام لیا۔ ایک اور

ان کی اچھی کتاب Iqbal's Philosophy of Society بھی اقبال کے فلسفہ سماج کو رموز بے خودی کے حوالے سے عیاں کرتی ہے ۔ بی ۔ اے ڈار نے اقبال کے علم کلام کے حوالے سے علی عباس جلالپوری کے ساتھ فنون میں جو علمی بحث کی وہ بھی ان کی اقبال فہمی پر دلیل ہے ۔

'اقبال کا علم کلام' کے نام سے پروفیسر سید علی عباس جلالپوری کی کتاب اقبال پر ایک علمی تنقید کی حیثیت رکھتی ہے ۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ اقبال پر علمی سطح پر یہ واحد تنقیدی کتاب ہے تو بے جا نہ ہوگا ۔ علی عباس جلالپوری نے اس کتاب میں یہ موقف اختیار کیا ہے کہ اقبال فلسفی نہیں تھے بلکہ متکلم تھے ۔ فلسفی طبع زاد خیالات کا مالک ہوتا ہے اور متکلم اپنے معتقدات کی فلسفہ و منطق کے زور سے عقلی توجیہہ کرتا ہے ۔ اور پہلے سے طے شدہ نظریات کی ہی منطقی اور عقلی توضیح کرتا ہے ۔ اگر متکلم اور فلسفی کے اس فرق کو روا رکھا جائے تو شاید کسی بھی شخص کو فلسفی نہ کہا جا سکے ، کیونکہ دنیا کا کوئی بھی شخص بالکل مجرد قسم کے طبع زاد فکر کا مالک نہیں اور ہر فلسفی فلسفہ طرازی کرتے وقت بھی اپنے بنیادی معتقدات سے دستبردار نہیں ہوتا ۔ خود سقراط ، افلاطون اور ارسطو کے بارے میں البیرونی کا کہنا ہے کہ وہ اپنے معتقدات میں موسوی المذہب تھے ۔ اور خود ان کی فکر کے ڈانڈے ان سے ماقبل کے فلاسفہ کے معتقدات و نظریات سے مل جاتے ہیں ۔ کانٹ ، ڈیکارٹ وغیرہ خود بھی مسیحی تصوریت کی مابعدالطبیعیات سے آزاد نہ ہو سکے ۔ لہٰذا اقبال کو ایک محدود معنوں میں متکلم بھی کہا جا سکتا ہے مگر کائنات کے حرکی تصور اور فلسفہ خودی جیسے تصورات کے

حوالے سے اسے فلسفی بھی قرار دیا جا سکتا ہے ۔ ذات باری کے ماورائی اور سریانی تصورات یعنی خدا کائنات سے ماوراء ہے اور خدا کائنات میں جاری و ساری ہے کے حوالے سے علی عباس جلالپوری کے نزدیک اقبال سریانی تصور اللہ کے قائل تھے ۔ تاہم میرا خیال یہ ہے کہ اقبال کو ماورائی اور سریانی تصورات اللہ کے حوالے سے کسی ایک تصور اللہ میں بریکٹ کرنا نامناسب ہے اس لئے کہ اقبال کے اپنے تصورات میں سریانی تصورات کی نفی پائی جاتی ہے ۔ اقبال نے سریانی اور سامی یا ماورائی تصورات سے الگ خود اسلام کے تصور خدا کو قبول کیا جس میں وہ ایک قادر مطلق ، اکمل ، مستقل بالذات ہستی ہے جو ہمارا شخصی خدا بھی ہے اس کائنات سے ماورا بھی ہے اور یہ کائنات اس کے امکانات میں سے ایک امکان ہے ۔ لہٰذا علی عباس کا یہ کہنا کہ اقبال نے برگساں اور الیگزنڈر کی تقلید میں ارتقائی سریان کا نظریہ پیش کر کے الٰہیات اسلامیہ کی تشکیل جدید نہیں کی بلکہ وحدت الوجود کے اسی سریانی نظریے کو سائنٹفک صورت بخش دی ہے جس کے خلاف وہ عمر بھر جہاد کرتے رہے اقبال کے تصور خدا کی عدم تفہیم پر مبنی ہے اقبال نے سریانیت اور ماورائیت دونوں کو کلی طور پر قبول نہیں کیا بلکہ قرآن کے تصور اللہ پر صاد کیا جو ماورائیت اور سریانیت دونوں کے تصورات کا بنیادی جوہر اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں جس کے تحت خدا ایک کامل و اکمل ، قادر مطلق ، مستقل بالذات منزہ و ماورا ذات ہے جس نے کائنات کو عدم محض سے تخلیق کیا جو تخلیق کے عمل میں بروز و ارتقا پر انحصار رکھتی ہے چنانچہ عالم فطرت کو حقیقی انا کی تخلیقی فعالیت کی ایسی تعبیر کہا جو ارتقا کی موجودہ منزل میں انسانی نقطہ نظر سے کی جاتی ہے اور

جس کی وسعت پر کوئی حد قائم نہیں کی جا سکتی اور جس میں فطرت ایک زندہ اور ہر لحظہ پھیلتی ہوئی وحدتِ نامیہ ہے جس کی نشوونما پر خارج سے کوئی حد قائم نہیں کی جا سکتی اس کی کوئی حد ہے تو داخلی۔ اقبال کا تصور ماورائی تصورات اور سریانی تصورات کے توازن سے وجود میں آیا ہے ، اقبال کو سریانیت اور ماورائیت سے زیادہ دلچسپی قرآن کے تصور خدا سے تھی جو ایک خدائے زندہ اور کائنات کے عمل تخلیق میں موثر قوت ہے اور اپنے بندوں سے الگ تھلگ نہیں بلکہ ان سے گہرا ارتباط رکھتا ہے۔ لہٰذا علی عباس جلالپوری کی طرف سے اقبال کے سریانی تصور الٰہ کا نظریہ زیادہ قابلِ قبول نہیں ہے۔ اقبال نے وحدت الوجودی تصورات کو قبول نہیں کیا کیونکہ وحدت‌الوجود میں ہم مرتبہ وجود سے اوپر نہیں اٹھتے جب کہ وحدت‌الشہود میں ذات کا مرتبہ وجود سے بالا قرار پاتا ہے۔ اقبال کو اس طرح عقل سے ترساں محض وجدانی ، رومانیت پرست اور خرد دشمن کہنا بھی اقبال کی درست تفہیم نہیں۔ اقبال جب وجدان اور فکر میں ایک نامیاتی رشتہ کا سراغ دیتے ہیں تو وہ عقل کی اہمیت کو خود تسلیم کرتے ہیں عقل کو وسیع تناظر میں دیکھا جائے تو وحی عقل اور علم پر محیط ہے۔ عقلِ کل وحی ہے جو اشیا کی حقیقت کو کلی تناظر یا ان کے گیشٹالٹ میں دیکھتی ہے جب کہ عقل جزوی حقیقت کو اجزا میں دیکھتی ہے۔ اقبال نے اسی فرق کو اپنے عقل و وجدان کے تصورات میں بیان کیا ہے بذاتہٖ عقل کو اقبال نے رد نہیں کیا چنانچہ دنیائے اسلام میں جس خرد افروزی کی ضرورت پر علی عباس نے اصرار کیا ہے اسی کی تحریک اقبال نے اٹھائی ہے۔ اقبال کے مذہب کی اور علم کی اساس تاریخ اور فطرت کے مطالعہ کو قرار دینے اور محسوس کی

دنیا یا زیادہ واضح الفاظ میں سائنس کی دنیا کو اہمیت دینے کے پیچھے اقبال کے یہی تصورات ہیں کہ فکر اور وجدان کے نامیاتی رشتوں کی تلاش سے ہم ایک نئے نظریہ علم کی اساس تلاش کریں ۔ لہٰذا علی عباس جلالپوری نے علمی سطح پر چند بنیادی مغالطوں اور الجھاؤ کو اپنی فکریات کی بنیاد بنایا ہے ۔ اور وہ چند شدید قسم کے فکری مغالطوں کا شکار ہونے کی بنا پر اقبال کے فلسفے کی روح کو نہیں سمجھ سکے ۔

اقبال پر میرے نزدیک ایک مستند ترین کتاب ڈاکٹر عشرت حسن انور کی 'Metaphysics of Iqbal' ہے جو ان کا پی ایچ ڈی کا تھیسس ہے ۔ اس کے نگران ڈاکٹر سید ظفرالحسن تھے ۔ اس کا اردو ترجمہ ڈاکٹر شمس‌الدین صدیقی نے کیا ۔ یہ مختصر ترین کتاب فکری اور علمی طور پر نہایت اہم مباحث کی حامل ہے ۔ وجدان کا طریق ، خودی ، عالم مادی ، وجود مطلق یا خدا اس کے پانچ ابواب ہیں ۔ دراصل فلسفہ اقبال کی یہ چاروں تصورات روح ہیں ۔ ڈاکٹر عشرت حسن انور کے مطابق اقبال کی فکر ماقبل وجدانی اور وجدانی دو منازل سے گذری ، پہلی منزل میں وہ اس روایتی طرز فکر کا اتباع کرتے ہیں جو ہمہ اوستی یا وحدت الوجودی تصورات سے قریبی تعلق رکھتا تھا اور اس دور کے شکستہ و متزلزل مسلم معاشرے کو بہت اپیل کرتا تھا لیکن یورپ کے سفر نے ان کے حوصلے اور فکر کو نئی توانائی اور ان کے عزم کو نئی قوت بخشی ۔ ان میں ایک سیاسی رد عمل پیدا ہوا ۔ اب وہ انفعالیت ، سکوت و جمود اور نفی ذات کی بجائے فعالیت ، عمل اور اظہار ذات پر زور دینے لگے ۔ انھیں اپنے خیالات میں تقویت برگساں نطشے اور میک ٹیگرٹ سے ملی

اور اس طرح وہ ذات یا خودی کی حقیقت اور ارادے کی قوت کو بنیادی اہمیت دینے لگے ۔ انھوں نے خدا ، خودی ، خودی کی آزادی و اختیار اور لافانیت یعنی بقائے روح کے علم کا ادعا کیا اور حقیقت نہائی اور اس سے متعلق تمام معقولات کی وجدان سے توثیق کرنے لگے ، ڈاکٹر عشرت حسن انور نے اقبال کے حرکی فلسفے کو بھی عیاں کیا ہے ۔ ان کے نزدیک اسلام میں مذہب اور فلسفے کو ہم آہنگ کرنے کی سب سے مربوط کوشش بیسویں صدی میں صرف اقبال نے ہی موثر انداز سے کی ہے ۔ عشرت حسن انور کے مضامین کا ایک مجموعہ اقبال اور مشرق و مغرب کے مفکرین حال ہی میں شائع ہوا ہے ۔ مجھے یہ کہنے دیجیے کہ ڈاکٹر عشرت حسن انور فلسفہ اقبال کے بہترین شارح اور مفسر کی حیثیت سے سامنے آئے ہیں جو فلسفہ کے خود بھی ایک سنجیدہ طالب علم رہے ہیں ، فکر اقبال کے ضمن میں میں ان کے کام کو بڑی اہمیت دیتا ہوں ۔

اقبال کے تصور اجتہاد پر ایک سنجیدہ کوشش ڈاکٹر خالد مسعود مدیر اسلامک سٹڈیز کی سامنے آئی ہے ۔ انھوں نے کولمبیا یونیورسٹی میں اس موضوع پر ۱۹۷۷ء میں مقالہ پڑھا تھا ۔ یہ کتاب اس کی ہی توضیح ہے ۔ ڈاکٹر محمد خالد مسعود کا اسلام اور سماجی تغیرات خاص موضوع رہا ہے ۔ انھوں نے اجتہاد کے موضوع پر عہد مغلیہ میں فتاوی عالمگیر کی صورت ، عہد زوال میں شاہ ولی اللہ ، شاہ اسماعیل شہید اور دور جدید میں جمال الدین افغانی ، سرسید احمد خان ، سعید حلیم پاشا ، ضیا گوکلپ اور اغنی دیس کی کوششوں کے تجزیے کے بعد مسئلہ اجتہاد سے اقبال کی دلچسپی کا تجزیہ کیا ہے اور اسلام میں اجتہاد کو اصول حرکت ،

آزادانہ رائے اور قانون سازی کے اختیار کے اقبالی تصورات کو پرکھا ہے اور اقبال کے شرائط اجتہاد ، مصادر اجتہاد قرآن ، حدیث اور اجماع و قیاس کو دیکھنے کے ساتھ ساتھ اقبال کے بعض اجتہادات سے استشہاد کیا ہے ۔ اقبال نے عورت کے لیے تنسیخ نکاح کے حق ، خلافت اور قانون ساز اسمبلی کے سلسلے میں جو اجتہادات کیے ان کو بیان کیا ہے اور بتایا ہے کہ اقبال عصر حاضر میں خود اجتہاد کے پرانے آلات اور اصولوں کا بھی نیا تعین چاہتے تھے کہ ہم عصر جدید کے تقاضوں کے مطابق قرآن و حدیث کی نئی تشریحات سے اپنی معاشرتی معاشی اور عمرانی تشکیل میں کامیاب ہو سکیں ۔ اقبال کے نزدیک اجتہاد قانون سازی میں مکمل اختیار کا نام ہے ۔ لہٰذا اقبال نے اجتہاد کو اجتہاد مطلق کے معنوں میں ہی لیا ۔ ڈاکٹر خالد مسعود کے مطابق علامہ اقبال مصادر اجتہاد کا جائزہ لیتے ہوئے ان میں جو قدر مشترک پاتے ہیں وہ ان کی دینامیت اور اصول حرکت ہے جس کی وجہ سے اجتہاد معاشرے کو ہر دور میں ترقی و فلاح کی طرف لے جاتا ہے ۔ ان کے نزدیک اقبال نے اجتہاد کے تصور اور نظریے کا اطلاق کرتے ہوئے معاشرے کو جمود سے نکال کر ترقی کی راہ دکھائی اور اس کے لیے بنیادیں اسلامی روایات سے باہر نہیں بلکہ اس کے اندر تلاش کیں ۔

اقبالیات کے ضمن میں ڈاکٹر ابصار احمد کی کتاب The Concept of Self and Self Identity in Contemporary Western Philosophy بھی بڑی اہم ہے ۔ یہ کتاب مکمل طور پر اقبال پر نہیں بلکہ تصور نفس کے موضوع پر ایک جداگانہ تخلیق ہے مگر اقبال کے

تصور خودی کی فلسفیانہ بنیادوں پر تفہیم میں بڑی موثر ہے ۔ ڈاکٹر محمد معروف کی اقبال پر دو کتب میرے سامنے ہیں ایک کتاب 'Iqbal's Philosophy of Religion' ان کا پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے ۔ یہ کتاب بھی اقبال کے خطبات کے گرد گھومتی ہے ۔ مذہب کے بارے میں فطریاتی نظریات ، نفسیاتی تصورات ، مذہب کے اثبات کے لیے دلائل اور مذہبی تجربے کی تصدیق پذیری اور مذہبی تجربے کی ماہیت جیسے موضوعات پر یہ کتاب محیط ہے ۔ یہ کتاب دراصل اقبال کے اثبات مذہب اور مذہبی تجربے کے اساس علم ہونے کے تصورات کو ظاہر کرتی ہے اور مذہبی تجربہ کی وقوفی اقدار کو ظاہر کرتی ہے ۔ اقبالیات پر سنجیدہ اور علمی کتب میں اس کتاب کو اور ڈاکٹر معروف کی نئی کتاب 'Iqbal and His Contemporary Western Religious Thought' کو میں خصوصیت سے شمار کرتا ہوں ۔ مذہب کے بارے میں اقبال کے مقصد سے اور مغربی فلاسفہ اور ان کی تحریکات فلسفہ سے اقبال کی اثر پذیری کی نوعیتوں کو یہ کتاب علمی سطح پر پیش کرتی ہے اور اس نظریے کا ابطال کرتی ہے کہ اقبال کی فکر اپنا کوئی تشخص نہیں رکھتی بلکہ دوسروں کے نظریات کی جگالی کے سوا کچھ نہیں ۔ ڈاکٹر معروف نے ان مغربی تحریکات کے اساسی نظریات اور اقبال کے ان پر انتقاد کے حوالے سے فکر انگیز بحث کی ہے جن میں ہیگلیت ، انگریز الٰہین امریکی مطلقیت ، انفرادی اور اجتماعی تصوریت اور ان کے الٰہیات میں درک فلسفہ روح کے اینگلو امریکی تصورات اور اخلاقی الحاد اور الٰہیت ، نوکانٹیئین اور فطرتیت کے مذہب کے بارے میں تصورات ، نتائجیت اور ان سے ملحقہ تحریکات فلسفہ یا تاریخ اور حقیقت شناسی اور عمرانی فلسفوں کا تجزئیاتی

مطالعہ اقبال کے حوالے سے پیش کرکے یہ حقیقت عیاں کی گئی ہے کہ اقبال اپنی معاصر تحریکات سے آگاہ ہے مگر یہ آگاہی اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ انھوں نے ان تحریکات سے من و عن خوشہ چینی بھی کی ہو۔ بلکہ اقبال نے خود ان تحریکات کا تجزیہ اپنے خطبات اور شعر میں پیش کرکے ان کے گمراہ کن اور کمزور پہلوؤں کو بیان کرکے اپنی منفرد فکر کو پیش کیا ہے۔

'حکمت اقبال' کے نام سے ڈاکٹر محمد رفیع الدین کی کتاب بھی چند ثقہ کتب اقبالیات میں شمار ہوتی ہے۔ بنیادی طور پر یہ کتاب خودی کی حقیقت، خودی اور تخلیق، خودی اور فلسفۂ تاریخ، خودی اور رحمت اللعالمین، خودی اور عقل، خودی اور مشاہدۂ قدرت، خودی اور سائنس، خودی اور ذکر، خودی اور فلسفہ اخلاق، خودی اور آرٹ، خودی یا انقلاب، خودی اور رشتہ توحید، خودی اور فلسفہ سیاسیات، خودی اور سوشلزم اور خودی اور مروجہ علوم کے حوالے سے اقبال کے فلسفہ خودی کی تفسیر و توضیح ہے۔ خودی کے موضوع پر منظور احسن عباسی کی کتاب بھی بڑی اہم ہے۔ اقبال کے نظریہ اور سوشلزم کے حوالے سے جسٹس ایس۔ اے رحمان، اے۔ کے بروہی کے دو چھوٹے رسائل بڑے اہم ہیں۔ محمد حنیف رامے نے 'اقبال اور سوشلزم' کے نام سے پروفیسر خواجہ محمد زکریا، پروفیسر محمد عثمان، ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم اور 'اقبال سوشلزم اور مودودیت' کے نام سے صفدر میر کے مقالات جمع کیے ہیں۔ اقبال کے اس موضوع پر خیالات کو متوازن طور پر صرف ایس۔ اے رحمان ہی نے پیش کیا ہے کہ اقبال سوشلزم کے مطالعے کی اہمیت پر زور دیتے تھے

تاکہ اسلام کے اقتصادی تصورات کو عصر حاضر کے انسان کے مسائل کے حل کے لیے بروئے عمل لایا جا سکے۔ ورنہ اقبال کو روسی ، چینی یا مارکسی سوشلزم سے کوئی دلچسپی نہ تھی ۔ اقبال کے فلسفہ اخلاق کے حوالے سے پروفیسر سعید احمد رفیق کی کتاب جو ادارہ ثقافت اسلامیہ نے شائع کی ہے بھی اقبال کے فلسفہ کے مطالعے کی ایک سنجیدہ علمی کوشش ہے کہ کس طرح اقبال کے تصور خودی سے اقبال کے اخلاق نظریات کا استخراج ہوا ہے ۔ پروفیسر محمد عثمان نے اقبال پر تین چار اہم کتب لکھی ہیں ۔ 'حیات اقبال کا جذباتی دور' ، 'اقبال اور تعمیر پاکستان' ، 'اسرار و رموز پر ایک نظر' جو بعد میں 'اقبال کا تصور خودی' کے نام سے شائع ہوئی ۔ تاہم ان کی اہم کتاب خطبات کے حوالے سے 'فکر اسلامی کی تشکیل نو' کے نام سے شائع ہوئی ہے ۔ پروفیسر محمد عثمان نے دراصل اس کتاب میں خطبات اقبال کا تشریحی اور توضیحی مطالعہ کیا ہے اور ان کی کتاب کو خطبات کی ان کے اپنے الفاظ میں تسہیل کا نام دیا جا سکتا ہے مگر فلسفیانہ بس منظر نہ ہونے کی بنا پر ان کا یہ مطالعہ تشنہ رہ گیا ہے اور خطبات کے گہرے مضامین کا ان تک ابلاغ نہیں ہوا ۔ خطبات اقبال کے ہی حوالے سے مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی کتاب خطبات اقبال پر ایک نظر بھی بڑی اہم ہے ۔ کتاب مختصر مگر اہم ہے ۔ اس کتاب میں مولانا نے روایتی علما کے مکتب فکر سے تعلق رکھنے کے باوجود اس بات کا ادراک کیا ہے کہ خطبات نے ایک نئے علم کلام کی نیو رکھی ہے ۔ بعض مذہبی حلقوں کے اعتراضات کو رد کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ یہ اقبال کی ایک سنجیدہ اور معنی خیز علمی کوشش ہے اور محض خرد افروزی اور روشن خیالی کا نام لے کر اس کی اہمیت کم نہیں کی جا

سکتی بلکہ یہ خطبات عصر حاضر کا جدید علم الکلام ہیں جس کی ضرورت احباب بصیرت عرصے سے محسوس کر رہے تھے ۔ اس سے انکار ممکن نہیں کہ یہ علم الکلام ہمارے قدیم علم الکلام سے بدرجہا فائق ، مستحکم اور ایمان و بصیرت کو جلا بخشنے والا ہے ۔ علامہ ایک ایسی بلند سطح سے کلام کرتے ہیں جہاں عقل اور وحی میں تصادم و تزاحم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ فکر اقبال کے حوالے سے ڈاکٹر رضی الدین صدیقی کی کتاب 'اقبال کا تصور زمان و مکان' ایک خوبصورت کتاب ہے ۔ محمد رضی الدین صدیقی کے اس کتاب میں دو انگریزی کے اور سات اردو کے مقالات ہیں جن میں اقبال حضور باری میں ، موت و حیات کلام اقبال میں ، مثنوی اسرار خودی کا تجزیہ قوموں کا عروج و زوال اقبال اور جذبہ آزادی ، مذہب اور سائنس اقبال کی نظر میں 'Iqbal and The Problem of Freewill' اور 'Iqbal's Concept of a Muslim' شامل ہیں ان میں سب سے اہم 'اقبال کا تصور زمان و مکان' ہے ۔ فلسفہ اور سائنس کے ایک جید عالم ہونے کی حیثیت سے ڈاکٹر محمد رضی الدین صدیقی کا ایک خصوصی مقام ہے ۔ چنانچہ انھوں نے اقبال کے تصور زمان و مکان پر سائنسی اور فلسفیانہ نگاہ ڈالی ہے ۔ ڈاکٹر صدیقی کے مطابق اقبال طبعی سائنس میں بھی ایک قسم کی روحانیت پاتے ہیں اور کائنات کے متعلق تحقیق و تجسس کو عبادت قرار دیتے ہیں ۔ اقبال کے نزدیک مسلم مفکرین نے یونانیوں کے سکونی تصور کائنات کے خلاف بغاوت کی اور ایک ارتقا پذیر متحرک کائنات کا تصور پیش کیا ۔ اقبال کے نزدیک زمان و مکان زندگی کی مختلف حالتوں میں سے ایک حالت کا نام ہے اقبال نظریہ اضافیت کے پیش کردہ تصور زمان و مکان سے متفق ہیں انھیں نظریہ

اضافیت کی اس تعبیر سے اتفاق ہے جو وائیٹ ہیڈ نے کی ہے یعنی یہ کہ نیچر کوئی ایسی سکونی حقیقت نہیں جو ایک غیر حرکیاتی خلا میں واقع ہو بلکہ وہ ایسے واقعات کا مجموعہ ہے جو اپنے اندر مسلسل تخلیقی بہاؤ کی خاصیت رکھتے ہیں زمان اور مکان دونوں اضافی اور حقیقی ہیں اور زمان دونوں میں زیادہ اساسی اہمیت رکھتا ہے ۔ اگرچہ تمام اشیا میں زمان و مکان دونوں موجود ہیں لیکن ان کا باہمی تعلق ایسا ہے جیسا جسم اور ذہن کا یعنی زمان ذہن ہے مکان کا ۔ حقیقی زمان ایک خاص قسم کی تخلیقی فعالیت ہے جس کے متعلق تواتر کا تصور نہیں کیا جا سکتا اور نہ اس کو ماضی ، حال اور مستقبل میں تقسیم کیا جا سکتا ہے بلکہ زمان خالص دوران و سرور ہے ۔

فکری سطح پر علامہ اقبال کی تین چار حیثیتیں ہیں جو انھیں فلسفی اور حکیم کی حیثیت سے متعارف کراتی ہیں ۔ مغرب میں زوال مذہب کے بعد اہلِ مشرق میں بھی یہ خیال جاگزین ہو رہا تھا کہ مذہب ایک فرسودہ اور ازکار رفتہ سی کوئی چیز ہے اور وہ جدید تصورات کا ساتھ نہیں دے سکتا ۔ دوسرے مذہب کے معتقدات کی اساس ایک اندھے اعتقاد پر ہے ۔ اس لیے مذہبی معتقدات اور تصورات کی عقلی توجیہہ ممکن نہیں لہٰذا مذہبی وقوف نام کی کوئی چیز نہیں ۔ اقبال نے اپنے خطبات میں مذہب کے امکان پر بات کرتے ہوئے مذہب کو انسان کی ایک ناگزیر ضرورت قرار دیا اور مذہبی تجربے میں وجدان اور فکر کے نامیاتی رشتے کی بات کر کے مذہبی تجربہ کے قابل وقوف و ادراک ہونے کی بات کی اور مذہبی تجربے کو بھی دوسرے سائنسی تجربات کی طرح قابلِ ابلاغ قرار دیا اور اس کی معنویت پر صاد کیا ۔

یوں اقبال عصر حاضر میں مذہب کے ایک بڑے اور مضبوط وکیل کی حیثیت سے سامنے آئے۔ اقبال نے مغرب کی مادیت کو بھی چیلنج کیا اور جدید طبیعیات کے حوالے سے مادہ کے قابل فنا اور قابل تحویل اور محسوس سے نامحسوس میں منتقل ہو جانے کے تصور سے مادیت کو کائنات کی اصل قرار دینے کے خیال کو باطل کہا اور کائنات کو روحانی الاصل قرار دیا پھر یونان کے سکونی نظریات کے برعکس قرآن کے حرکی تصورات کو پیش کیا۔ اقبال نے حیات بعد الموت کے اسلامی تصور سے قوموں اور تہذیبوں کے دوبارہ زندہ ہونے کے تصور کی حمایت کی اور اشپنگلر کے اس نظریے کو باطل ثابت کیا کہ بچپن جوانی اور کہولت کا شکار ہو کر تہذیب اور کلچر بالاخر مر جاتے ہیں اقبال نے اس تصور کو باطل قرار دیا اور کہا کہ اسلام میں تو حیات بعد الموت کا تصور مر کر جی اٹھنے پر دلالت کرتا ہے لہٰذا جس طرح سوکھی گھاس بارش کے بعد پھر ہری بھری ہو جاتی ہے۔ تازہ افکار و نظریات سے پرانے کلچر پھر زندہ ہو جاتے ہیں۔ اقبال نے اسلامی تہذیب کے احیا اور باز آفرینی کے تصور کا اس سے استخراج کیا۔

اقبال نے قرآن کے حوالے سے تاریخ اور فطرت کے مطالعے کی اہمیت کو دوچند کرتے ہوئے اسلام کے محسوس علوم مثلاً عالم فطرت کے مطالعہ اور مشاہدہ کی بات کی۔ سائنس کو مسلمانوں کی میراث قرار دیا۔ اقبال کے نزدیک یونانیوں کے مجرد تصورات کے برعکس اسلام نے حرکت کے تصورات کو پیش کیا۔ چنانچہ انھوں نے مسلمانوں میں حرکت و عمل کی تخم ریزی کی تاکہ مسلمان اپنی نشاۃ ثانیہ اور باز آفرینی کی منزل کو پا

سکیں ۔ تاریخ اور فطرت کے مطالعہ سے اقبال نے مسلمانوں میں سائنس اور ٹیکنالوجی سے رغبت کو پروان چڑھایا تاکہ مسلمان قوت اور توانائی کے مراکز کو اپنی گرفت میں لے سکیں ۔ اقبال نے خودی کے تصور سے انسان کو عزت نفس عطا کی اس کا مرتبہ فرشتوں سے بلند کر دیا اور ہر انسان کو اپنی ذات کے شعور اور عرفان کو پانے کی تلقین کی ۔ خود را دیدن بنور خویشتن میں اقبال نے فرد پر لازم کیا کہ وہ اپنی ذات کو خود اپنے حوالے سے دیکھے خود را دیدن بنور دیگرے میں اقبال نے لازم کیا کہ انسان خود کو تاریخ کے وسیع تناظر میں ڈبو کر دیکھے اور خود را دیدن بنور ذات حق میں اقبال نے لازم کیا کہ انسان اپنے خالق و مالک کی مرضی و منشا کے حوالے سے خود کو دیکھے ۔

اقبال نے عصر حاضر میں مسلمانوں کو رنگ و نسل فرقہ اور ذات سے بالاتر ہو کر ایک امت ایک ملت میں گم ہونے کا سبق دیا اور نیل کے ساحل سے تابخاک کاشغر ایک ہونے کی تلقین کی ۔ اور سب سے بڑھ کر جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کو پاکستان کے تصور سے مالا مال کر کے قائداعظم جیسی عظیم قیادت عطا کی ۔ جو اقبال کے مرد مومن اور تصور خودی کی عملی تفسیر تھے ۔ اور جنہوں نے سچ کی سیاست سے کانگرس کے جھوٹ کو شکست دی ۔ یوں اقبال جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے نجات دہندہ اور مسلمانوں کے لئے نغمہ انقلاب تھے ۔

اقبال کے افکار و خیالات اپنے مابعد کے زمانے میں مختلف شخصیتوں میں ظاہر ہوئے ۔ اقبال کے سیاسی افکار و نظریات نے قائداعظم کی صورت میں ایک ایسی قیادت فراہم کی جس نے شمال مغربی ہندوستان میں ایک

اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی ۔ اقبال کے تصور خودی کی وہ زندہ مثال تھے ۔ اقبال کے مرد مومن کی عملی تفسیر جو شاہین کا جگر رکھتا تھا اور ہندو انگریز اور نیشنلسٹ مسلمانوں کے گٹھ جوڑ کو پریشان کر کے رکھ دیا ۔

اقبال کی سیاسی فکر کا حضرت قائداعظم ایک جیتا جاگتا شہکار تھے ۔ اسلام کو اقبال چند اعتقادات کا مجموعہ تصور نہ کرتے تھے بلکہ اسے ایک نظام حیات کے طور پر جنوبی ایشیا کے مسلمانوں میں جاری و ساری دیکھنا چاہتے تھے ۔ پاکستان کے قیام کے پیچھے ان کی یہی سوچ تھی ۔ اسلام کی فقہ کی تدوین نو سے اجتہاد اور اسلام کو نظام حیات کے طور پر پیش کرنے کے اقبال کے رویے نے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی میں راہ پائی ۔ اقبال مودودی صاحب کے لئے محض روحانی سہارا ہی نہ تھے بلکہ مولانا مودودی کی فکریات کے صورت گر بھی تھے ۔ اسلام کو بحیثیت نظام زندگی نافذ کرنے اسلامی جمہوریت اور اسلام کے موثر نظام کے حوالے سے اقبال کی فکر مولانا مودودی میں جلوہ گر ہوئی ۔ اسلام میں احیا و تجدید اور معاشی تصورات پر زور اور ماضی کی فرسودہ اور مردہ روایت پرستی کے خلاف اقبال کی بغاوت غلام احمد پرویز میں ظاہر ہوئی اگرچہ غلام احمد پرویز نے اعتدال سے انحراف کیا اور آخر میں تاریخ تصوف کے حوالے سے خود اقبال سے انحراف کی راہ اختیار کی ۔ مذہب کی اہمیت ، مردہ روایت پرستی سے بیزاری اور جدید علوم و فنون سے استدلال کا اقبال کا رویہ غلام احمد پرویز میں ظاہر ہوا اقبال کی انقلابیت کے اثرات اور مغرب بیزاری اور اپنے اصل کی طرف رجوع کا تفکر علی شریعتی میں نمودار ہوا چنانچہ ڈاکٹر علی شریعتی نے ما و اقبال میں اقبال

کو علی نما کہا ۔ اور ایرانی انقلاب کی حدی خوانی کرتے ہوئے اقبال کو اپنا مرشد اور راہبر قرار دیا چنانچہ موجودہ ایرانی انقلاب نے بھی اقبال کو اپنا راہبر قرار دیا ہے اسی طرح افغانیوں نے روس استعماریت کے خلاف اقبال سے قوت و توانائی حاصل کی اور روس کے خلاف لڑتے ہوئے مورچوں میں کلام اقبال کو سینے سے لگائے رکھا ۔ اقبال کے اجتہادی تصورات ڈاکٹر فضل الرحمن ، اور اقبال کی قوت کے حصول کا فلسفہ جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال کی فکریات میں رچ بس گیا میں اقبال کی شاعری کو از خود نظرانداز کر رہا ہوں کیونکہ ہر کوئی جانتا ہے کہ گزشتہ پچاس سال سے نثر و شاعری اقبال کے سحر سے آزاد نہیں ہوسکی اور نہ آئندہ پچاس برس تک ایسا ممکن ہے ۔

اقبال پر دنیا کی دیگر زبانوں میں بھی بہت کام ہوا ہے مگر چونکہ میرا منصب ۱۹۴۷ء کے بعد پاکستان میں اقبالیات کا مطالعہ تھا لہٰذا میں نے اس تک خود کو محدود رکھا ۔ ورنہ پوری دنیا میں اقبال ایک امید اور انقلاب کے نغمے کی حیثیت سے ہر کہیں گونج رہا ہے ۔